۴،۱۹۹
۱۲
۱۲۴۶

تالیف

ڈاکٹر علی شریعتی

خودسازی

ہم کیسے رہیں

ترجمہ

محمد خالد فاروقی

نهضت ترجمه
Translation Movement

کتاب :	خودسازی
از :	ڈاکٹر علی شریعتی
ترجمہ :	محمد خالد فاروقی
ناشر :	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان بتعاون رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران راولپنڈی
تاریخ نشر :	۱۵ اکتوبر ۱۹۸۰ء
تعداد :	۲۰۰۰ جلد
طابع :	حافظ شفیق الرحمٰن ایس ٹی پرنٹرز۔ گوالمنڈی راولپنڈی فون ۷۲۸۱۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لاهله والصلوة على اهلها

مثالی کردار رکھنے والی شخصیتیں اپنی زندگی اور پورے وجود کے ساتھ اپنے نظریے کی ترجمانی کرتی ہیں عقیدے کے لئے اس کی اہمیت ہزاروں کتابوں، ہزاروں تقریروں اور ہزاروں علمی تحقیقوں سے بھی زیادہ ہے۔ ہمیں کردار سازی کے نقش دوسرے تمام مذہبی فرقوں کی بہ نسبت شیعہ فرقے میں زیادہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے اعتقاد کی یہی بنیاد ہے کہ ہم امام اور امامت پر تکیہ کرتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کردار سازی آج بھی موجود ہے۔

اگر کوئی دوسری بات امید دلاتی ہے تو وہ بس یہ ہے کہ اسلام انتہائی خراب حالات اور بڑے ناسازگار ماحول میں بھی اپنے آئیڈیل انسان اور مثالی کردار تیار کرنے کی قدرت وصلاحیت رکھتا ہے، اور اس نے آج کے بے حد خراب ماحول میں بھی اپنی اس صلاحیت کو پوری طرح محفوظ اور برقرار رکھا ہے۔ بڑی اچھی اور حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ ایسے نمونے کے افراد خوش قسمتی سے جن کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، مثالی گھرانوں کی تشکیل کا ذریعہ بن رہے ہیں ہم میں سے ہر شخص کم و بیش اس حقیقت سے واقف ہے کہ آج اسلام نے ایک ایسی تازگی اور ایک ایسی نئی زندگی حاصل کر لی ہے کہ وہ ہماری اجتماعی زندگی اور ہمارے اس دور کی ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اسلام نے جس کو دشمن بھی نہیں جھٹلا سکا ایسی ترقی اور بالیدگی پیدا کر لی ہے کہ اب ہم ایسے بے شمار شیعہ گھرانے رکھتے ہیں جو اپنی دوستی اور اصلیت کی بنا پر مثالی کہے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک بڑی ترقی ہے جو لوگ اس مرحلہ و مقام پر پہنچ گئے ہیں اور توفیق خداوندی سے ایسی سعادت سے بہرہ مند

ہیں۔ انہوں نے ایک عظیم کامرانی ہی حاصل نہیں کی ہے بلکہ اس دور میں ایک بڑی اجتماعی ذمہ داری کا بوجھ بھی اپنے شانوں پر اٹھالیا ہے۔ یہ صورتِ حال ہمارے لئے بڑی حوصلہ افزا پُرکشش رہنمائی کرنے والی ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو احباب یہاں موجود ہیں وہ جدید مسائل و مشکلات نظریات و اقدار، فکر و عمل کے ستون اور ان کی جانب میلانات سے بخوبی آشنا ہیں اور اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ ترقی پسند تازہ دم اسلام اب ان تمام مسائل کا مقابلہ و سامنا کر رہا ہے۔ احباب کا یہی شعور ہے جو زیادہ ہمہ گیر زیادہ اہم اور زندگی سے زیادہ تعلق رکھنے والے مسائل پر گفتگو کا موقع فراہم کرتا ہے۔ یہاں جو لوگ جمع ہیں وہ وقت کی اسلامی تحریک اور شعبی طرزِ فکر کے حامل ہیں۔ اس لئے ایک پہلے سے تیار کردہ لائحۂ عمل کو سامنے رکھ کر گفتگو کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ ہم زیادہ آزادی اور اطمینان کے ساتھ اور کھُل کر بات چیت کریں۔ ایسا موقع بہت کم میسر آتا ہے۔ اس لئے معززین کے اس اجتماع، یک جائی و شناسائی سے ہمیں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے اور زندگی کے ایسے بنیادی مسائل کو زیرِ بحث لانا چاہیئے جس کا اسلام اس طرزِ فکر خصوصاً اس نسل اور فکری تحریک سے تعلق ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس مجلس کے محترم شرکاء پوری آزادی کے ساتھ اپنے نظریات پیش کریں تاکہ ہم اس سے کچھ زیادہ فائدہ اٹھا سکیں اور کچھ سیکھیں۔ جو کچھ آپ کے دل میں ہے آپ سامنے لے آئیے اپنا رنج اپنے احساسات مستقبل کے بارے میں اپنے نظریئے، مسائل اور تضادات، ہر وہ چیز جو ضروری اور زندگی سے متعلق ہو اسے بیان کر دیجئے تاکہ ہم اور ہم جیسے لوگ کچھ سیکھیں۔ وہ لوگ جو ہمیشہ کتاب و فکر سے تعلق رکھتے ہیں انہیں یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں وہ اپنی نسل، اس کے حقائق اپنے زمانے اور اپنے معاشرہ سے کٹ کر محض کتابوں اور جو کچھ افکار و خیالات کتابوں میں ہیں ان ہی کے نہ ہو کر رہ جائیں۔ پھر اس کا نتیجہ کہیں یہ نہ نکلے کہ ان کی زبان ان کے احساسات ان کے

فرد، ان کی نظروں اور ان کے ماحول کے درمیان وسیع خلیج حائل ہو جائے۔ اس اعتبار سے بھی ہم جیسے لوگوں کے لئے یہ گفتگو ایک درس و تعلیم کی حیثیت رکھتی ہے یہ مسائل سیاسی مسائل نہیں ہیں کہ ان کا چھیڑنا محل نظر ہو یہ مسائل براہ راست اسلام کی اصل سے ہمارے عقائد و افکار ہماری آئیڈیولوجی سے تعلق رکھتے ہیں ان مسائل کا تعلق موجودہ دور سے آج کی دنیا سے وقت کے فکری رجحانات مصائب و خطرات سے ہے اور انکی نوعیت سو فی صد اعتقادی اور فکری ہے۔

میرے اپنے نقطۂ نظر سے اس وقت ہم جس مسئلے سے دوچار ہیں اور جو اپنی شدت کے اعتبار سے فوری توجہ کا طالب ہے وہ نئی پود اور طرز انحراف جدید کی جانب میلان کا مسئلہ ہے۔ ہم سب اس اسلامی طرز فکر کو نقصان پہنچنے کا کم و بیش احساس رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے سماجی ماحول میں رہتے ہوئے وقت کے بڑے بڑے عالمی و اجتماعی مسائل سے سروکار رکھتے ہوں۔ یا وہ لوگ جو ان مسائل سے کوئی واسطہ نہ رکھتے ہوں دونوں ہی جب اپنے خاندان اور بچوں کے درمیان پہنچتے ہیں تو ان مسائل سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں کوئی شخص اس حقیقت سے فرار اختیار نہیں کر سکتا اور غافل ہو کر ان سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ان مسائل نے سب ہی کو گھیر لیا ہے اور سب ہی کو ان سے دوچار ہونا پڑیگا۔ یہ حقیقت ایک اعتقادی مسئلہ نہیں بلکہ اجتماعی مسئلہ ہے۔

اسلام ہر دوسرے عقیدہ کی طرح جب تک جامد موروثی ڈھانچے میں مقید ہے اور جب تک فرد کی جوابدہی سے وہ بے تعلق ہے اور جب تک کہ اس کا دائرہ فرد اور خدا کے درمیان رشتے اور فرد و آخرت ہی کے درمیان واسطے تک محدود ہے، وہ کمزور ہے اور ایک قوت و طاقت بن کر دنیا کے سامنے آنے سے قاصر ہے۔ ایسے اسلام کا کوئی دشمن نہیں ہے اس کے لئے میدان بالکل خالی ہے کسی کو اس کا نوٹس لینے کی ضرورت نہیں اس اسلام کی مثال اس ملک جیسی ہے جس کے پاس تیل نہیں ہے۔ جس کے معدن میں سونا

نہیں ہے اور رہبر بھی نہیں ہے اس لئے وہ استعمار کے شر سے بھی محفوظ ہے ایسا اسلام جو اپنے اندر نہ رنگ و بو رکھتا ہو اور نہ کوئی خاصیت، اسے کسی دشمن سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا دنیا میں اس کے لئے ہر طرف امن ہے، چین ہے اور آرام ہے ایسے اسلام کا ہر شخص خواہ وہ کسی قماش کا ہو احترام ہی کرے گا کیونکہ اس نوع کا اسلام ایک ایسی قوت ہے جو اپنے اطراف میں موجود کسی بھی طاقت کو نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ وہ نوے فیصد اس کے لئے سود مند ثابت ہوتا ہے اسے عوام کو سرگرم بنانے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے یہ اسلام ایک ایسا نقش ہے جو ہر طاقت کے لئے جو برسر پیکار ہو، ہر صورت میں اور ہر آئیڈیالوجی کے لئے سود مند ثابت ہوتا ہے۔

لیکن جب اسلام جمود کے ڈھانچے اور قرون وسطیٰ کے طور طریقوں سے باہر نکل آتا ہے صرف فرد کے ساتھ رابطے اور محدود اخلاقی، روحانی، شخصی اور باطنی دائرے سے باہر قدم رکھتا ہے تو ایک موج بن جاتا ہے ایک دعوت اور ایک پیغام بن کر سامنے آتا ہے، انسانی کردار کو ڈھالنے اور نئی نسلوں کو جذب کرنے والی قوت بن کر ابھرتا ہے اور وقت کے میدان میں خم ٹھوک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی وہ اسلام ہے جو خطرناک بن جاتا ہے

آج اسلام اپنے محراب، اپنے مدرسہ اور اپنے حجرہ سے نکل کر کوچہ و بازار میں پہنچ گیا ہے، وقت کے افکار و تصورات میں اس نے اپنے قدم رکھ دیئے ہیں۔ وہ میدان کارزار میں کود پڑا ہے اور اگلی صفوں میں پہنچ گیا ہے۔ وہ اب بڑی اچھی طرح اپنے دوست کو بھی پہچانتا ہے۔ اور دشمن کو بھی اسے اپنے مقام کا پورا شعور رہے۔ وہ واضح طور پر اپنی سمت کا تعیّن کر سکتا ہے اور جب وہ اپنی سمت کا تعیں کرتا ہے تو اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ اس کا میلان کس جانب ہونا چاہیئے وہ دنیا کے عین وسط میں کھڑا ہے اس کی ایک جانب شمال ہے تو دوسری جانب جنوب وہ دنیا کی ہر سمت سے وابستہ ہے۔ وہ گونگا بہرا اور نہ اپنے اطراف رونما ہوتے والے واقعات سے بے تعلق۔

آج اسلام ایک تحریک بن چکا ہے۔ وہ گوشہ نشین نہیں ہے وہ قائم تو بیدار ہے جس قدر اسے نئے مواقع میسر آتے ہیں جس قدر اُسے بلندی حاصل ہوتی ہے، جس قدر وہ دورِ جدید کے مسائل کا سامنا کرتا ہے، جس قدر وہ بے گانہ ہوتا چلا جاتا ہے، اس قدر طاقتور زندہ تر اور کامل تر ہوتا چلا جاتا ہے جس قدر وہ مصائب کا سامنا کرتا ہے، جس قدر وہ خطرات میں گھرتا جاتا ہے اور جس قدر اس پر آفات کے پہاڑ چاروں طرف سے ٹوٹتے ہیں اسی قدر اس میں اپنی حفاظت اور خطرات کے مقابل صحیح رخ اختیار کرنے، موقع و محل کو سمجھنے کی صلاحیت اور حکمت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسلام آج کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہے۔ اس دور میں بھی ہمارے پاس کردار کے ایسے نمونے موجود ہیں جن کی مثالیں اسلام کے دورِ اوّل کے سوا نہیں ملتیں۔ آج اسلام محض ایک اعتقادی مذہب نہیں ہے وہ ایک متحرک تعمیری و تخلیقی قوت کی حیثیت سے ایک بار پھر سامنے آیا ہے۔ اسلام ایک ایسا اجتماعی نظریہ بن کر پھر اُبھرا ہے، جو پوری طرح انقلابی ہے اور انسانی کردار اور معاشرے کی تعمیر وقت کے ماحول، نظام اور روابط میں انقلاب برپا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حالات کی یہ ایک بے مثال موافقت ہے۔ ایسی موافقت ہمیں صدیوں کے بعد میسر آئی ہے، شاید تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی میں بھی جو اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج کا دور ہے۔ ہمیں ایسی موافقت میسر نہیں آسکی تھی۔ بلاشبہ اس دور میں علم و فن اور تمدن و تہذیب اوج کمال پر پہنچ گئے تھے لیکن اس دور میں اسلام کی ایڈیالوجی اور رُوح گھٹ کر رہ گئی تھی۔

آج نہ ویسا تمدن ہے نہ ویسی طاقت اور نہ علم و فن کا ویسا عروج البتہ ایک تحریک ہے جو لوگوں کے قلب و ذہن کی گہرائیوں سے اُٹھ رہی ہے۔ روح اور فکر کا انقلاب ہے جس نے ایک بہشت تازہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے، یہی وہ بات ہے جو ہر چیز کو متقلب

کر کے رکھ دیتی ہے ایک طرف تخریب کا بازار گرم کرتی ہے تو دوسری طرف ہر گوشہ میں تعمیر نو کی بنیادیں رکھتی ہے یہی وہ تحریک ہے جس کے دشمن ہر جگہ پیدا ہو گئے ہیں یہی وہ انقلاب ہے جسے ہر جگہ حتیٰ کہ بڑی طاقتیں بھی ایک خطرہ سمجھ رہی ہیں۔

آج اسلام ایک بڑے تنگ و دشوار راستے سے گذر رہا ہے اس پر اپنے اور غیروں دونوں کی طرف سے گولہ باری کی جا رہی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں اسلام کی تشکیل ٹکراؤ و تصادم پیدا کرتی ہے ان کے مفادات سے ان کی دنیوی خواہشات سے ان کے مدرسوں اور ان کے نظریات سے ان کے مذہب سے اور عقائد سے جو نجات انسانی کے مدعی ہیں بالفاظ دیگر اسلام نے اپنے کئی دشمن اور رقیب پیدا کر لئے ہیں۔

اپنے دشمنوں کے ساتھ اسلام کی یہ جنگ ایک نظریاتی جنگ ہے دونوں کے ہدف مختلف اور مقاصد جدا ہیں۔ اسلام اور استعمار ایک دوسرے کے مقابل اور حریف ہیں۔ یہ اس کے وجود کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ دونوں کے اصول و مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام انسان کی آزادی، فلاح و کمال اور امن و انصاف کی فکر کرتا ہے جب کہ استعمار خلق خدا کا اور قوموں کا استحصال کرتا ہے انسان کی تباہی و حق تلفی کے لئے کام کرتا ہے وہ انسان کو ایک ستم رسیدہ مزدور اور ایک سیاسی غلام بنا دیتا ہے۔ یہ وہ بنیادی و اصولی تضاد ہے جو اسلام اور استعمار کے درمیان موجود ہے

جب ہم ایک دوسرے رُخ سے غور کرتے ہیں تو یہی اسلام جو آج کے معاشرے اور نئی نسل سے تعلق رکھنے والے روشن فکر نوجوانوں کے لئے دعوت فکر بن چکا ہے اور انہیں اپنی طرف جذب کر رہا ہے خود بخود اس دوسرے نظریے کے مقابل آجاتا ہے جو ایسے ہی مقاصد اور ایسی امنگوں کا مدعی ہے۔ ان دونوں کا اختلاف دو رقیبوں کا سا اختلاف ہے نہ کہ دو دشمنوں کا یہ دو ایسے رقیب ہیں جن کے ہدف اور جن کی آرزوئیں ایک جیسی ہیں لیکن جہاں تک دعوت کی نوعیت اور مسائل کے تعین کا تعلق ہے یہ اس کو غلط و باطل سمجھتا ہے تو

وہ اس کو راہ راست سے ہٹا ہوا خیال کرتا ہے۔ یہ مسابقت اور رقابت ہے جو یہ تعین کرتی ہے کہ حصول مقصد کے لئے دونوں میں سے کون لائق تر اور اہل تر ہے، ان کی راستی اور سچائی اور قدر و قیمت کا تعین بھی دونوں کی ایسی مسابقت سے ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں اس کام کے لئے وہ فی الواقع کس قدر استعداد اور صلاحیت رکھتی ہے۔ اس سوال کا جواب بالآخر مل جائے گا۔

آج اسلام دو مخالف محاذوں کے درمیان کھڑا نظر آتا ہے ایک محاذ انسانیت کی دشمن طاقتوں کا ہے اور دوسرا محاذ ان نظریات کا ہے۔ جو انسان کی بہی خواہی، انسان کی نجات اور اس کی آزادی کی حمایت کا دعویٰ کرتا ہے اور خود کو ایک ایسی دعوت و تحریک کے علمبردار کے طور پر پیش کرتا ہے جو انسان کی دشمن طاقتوں [illegible] چلائی جا رہی ہو۔

کتاب خانہ گنج بخش
شمارہ ۳۳۴۰۰

ہماری جوان، نئی نسل جس نے اسلام اور تشیع کی اساس پر اور آغاز اسلام کے جذبے اور اس سچے انقلاب کی بنیاد پر اپنی تحریک کا آغاز کیا ہے اور بڑے عزم کے ساتھ میدان میں قدم رکھا ہے اپنے آپ کو ان دو خطرات کے مقابل تنہا محسوس کرتی ہے۔ تمام فکری و سیاسی مراکز، تمام اقتصادی، سیاسی گروہی جماعتی اور فکری قوتیں، شعر و ادب اور فکر و فلسفہ سے لے کر دولت و اقتدار اور اسلحہ و ساز و باز تک دنیا کی ہر مادی اور معنوی چیز چند بڑی طاقتوں اور ان چھائی ہوئی طاقتوں کے اختیار میں ہیں جن کا دنیا کے ہر کام میں عمل دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری یہ جوان نسل جس کا اسلحہ آگہی کے سوا کچھ نہیں ہے اور جس کی زندگی کا سرمایہ اس کا احساس ذمہ داری ہے جسے نہ اس کے دشمن اور رقیب سمجھتے ہیں اور نہ اس کے ظاہری کا ہم مسلک اور اس کی ملت سے تعلق رکھنے والے، وہ اسے نہ صرف تنہا چھوڑ دیتے ہیں بلکہ اس کی پیٹھ میں خنجر بھی گھونپ دیتے ہیں ایک ایسی ہر طرف سے کی جانیوالی مسلسل یورش کے مقابل جو بڑی طاقتور بنیادوں پر ضرب لگانے

والی ہو جو علم و فن کے گوشوں سے بھی کی جا رہی ہو، اس نوجوان نسل کا خود کو تنہا محسوس کرنا اور اس میں خوف و خطر کا احساس پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے ایک جانب ماسکو سے لے کر واشنگٹن تک کے نظریات ہیں جن کی فکری خوراکیں نئی نسل کے جوانوں کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ فلسفہ، آرٹ، علم و ادب اور تاریخ کے شعبوں کے بڑے بڑے ماہروں کو ان نظریات کی تبلیغ کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس تبلیغ کی راہ میں اگر ایک جگہ رکاوٹ پیدا کی جاتی ہے تو دوسرے ہزار راستوں سے فکری خوراکیں تیار کر کے ان نوجوانوں تک پہنچائی جاتی ہیں اس صورتِ حال کے مقابل یہ ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو اپنے پیروں پر کھڑا ہے، اور اپنے ایمان کے ساتھ تعلق کی بنیاد پر تنہا کھڑا ہے تھوڑے ادیب چند خطیب اور کچھ سوچنے والے ہیں تو وہ بھی خود کو سب سے زیادہ تنہا محسوس کرتے ہیں ان کے پاس نہ روپیہ ہے نہ طاقت ہے اور نہ مرتبہ ان کی ساری زندگی بس اپنے گھر کا۔ کوئی گوشہ یا پھر کسی دوسرے کے گھر کا۔

بس یہی وہ سب لوگ ہیں جو اس نسل اور اس تحریک کے لئے فکری مواد فراہم کرتے ہیں، لیکن بڑی آسانی سے ان کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ بڑی آسانی سے ان کے قلم توڑ دیئے جاتے ہیں۔ بڑی آسانی سے ان کے ہونٹ سی دیئے جاتے ہیں اور اس نسل کو فکری غذا فراہم کرنے والے چشمے کو خشک کر دیا جاتا ہے، یہ انسانی اور اسلامی فکر رکھنے والا گروہ ایسے حالات اور ایک ایسے زمانے میں اُٹھا ہے، اگر وہ خود کو تنہا اور اپنے مستقبل کو خطرات سے پُر اور خود کو آفات کی زد میں سمجھتا ہے تو اس کا یہ احساس بالکل فطری ہے اگر وہ ایسا محسوس نہ کرے تو اس کا یہ ہوگا کہ اس کی آگہی اور اس کی بصیرت کمزور ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جن میں ہم گھرے ہوئے ہیں اب وہ مسئلہ کیا ہے جو ہمیں درپیش ہے، ہم وہ دنیا میں قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی ٹھکانا ہے۔ نہ مرکز اور نہ ہمارے

پاس سرمایہ ہے نہ ہماری کوئی مدد کرتا ہے نہ کوئی ہمارا دوست اور ہمدرد ہے حتیٰ کہ وہ لوگ جو ہمارے ہم دین اور ہم مذہب ہیں وہ نہ صرف یہ کہ ہمارا ہاتھ نہیں تھامتے اور ہمدردی کا ایک لفظ نہیں کہتے بلکہ ہمارے دشمنوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر ہمارے راستہ میں کانٹے بچھاتے ہیں اور تہمت، نفرت، کینہ توزی، ذہنی الجھاؤ اور زہر بھرے پروپیگنڈے کا ایک طوفان اس نسل اس گروہ اور اس چھوٹی سی امت کے خلاف اٹھاتے ہیں۔ اس جگہ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں اس نسل سے وابستہ ایک جوان کی حیثیت سے کیا کروں اور میرا لڑکا جو ایک نوجوان کی حیثیت سے اس راہ پر قدم بڑھانا چاہتا ہے اور میری لڑکی جو اپنی تہذیب اپنے اسلام اور اپنے ایمان سے کچھ سیکھنا چاہتی ہے، آخر یہ دونوں کیا کریں؟ گھر میں تو کچھ نہیں ہے اور مدرسہ کا جو ماحول ہے وہ اصولی طور پر میرے اعتقاد کے خلاف ہے، انسانیت اور اس ایمان کے خلاف ہے جس کا میں معتقد ہوں اور میری اس آرزو کے خلاف ہے جسے میں انسان بننے کے لئے اور خود انسانیت کے لئے رکھتا ہوں، دوسرا ماحول وہ ہے جو گھر اور مدرسہ کے درمیان پایا جاتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ اس ماحول میں کون سی چیزیں ہیں جو ہماری نئی نسل کے سامنے پیش کی جاتی ہیں فکر و تبلیغ کے تمام ادارے جو روح انسانی کی تربیت کرتے ہیں۔ دوسروں کے اختیار میں ہیں اگر دورونِ خانہ آہستگی اور نرمی کے ساتھ بڑوں کو ان کی لیاقت اور ذمہ داری کے مطابق انسانی اور فکری غذا فراہم کرنا چاہیں تو پھر بھی ان کے چھوٹوں کو وہ فکری غذائیں دی جاتی ہیں۔ جو ایک دوسرے ہی کارخانہ کی تیار کردہ ہیں اور ایک دوسرے ہی نشان کے ساتھ ہمارا حریف یا دشمن فراہم کرتا ہے یہ فکری غذائیں ہمارے بچے کو ہم سے اجنبی بنا دیتی ہیں۔ اس کا رابطہ ہم سے ٹوٹ جاتا ہے یہ ہے ہمارا داخلی ماحول۔

اس سب کے باوجود ہمارا بچہ اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کسی دوسرے ملک کی راہ لیتا ہے وہاں وہ دیکھتا ہے کہ خودسازی کے زیادہ امکانات ہیں لیکن ان تمام امکانات سے مخصوص سرگرم طاقتیں اور کچھ دوسرے فکری غذائیں تیار کرتے والے اور اپنے ڈھب کے انسان تیار کرنے والے عناصر فائدہ اٹھاتے ہیں وہاں انہیں وہی فکری غذائیں ملتی ہیں جو دوسرے تیار کرتے ہیں وہ ان کے لئے دوسرے ہی نظریات اور دوسرا ہی ذہنی اور فکری ماحول فراہم کرتے ہیں یہ ایک بالکل فطری بات ہے کہ ہمارا جو نوجوان، امریکہ، فرانس، انگلستان یا جرمنی گیا اچھی طرح جانتا ہے کہ نیگال اور مولن روژ جانا کوئی اچھی بات نہیں۔ اسی لئے وہ ان مقامات پر نہیں جاتا وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اسے صرف تعلیم ہی حاصل نہیں کرنی اور صرف ایک انجینئر اور ڈاکٹر ہی بن کر اپنے وطن واپس نہیں جانا ہے اگر وہ واپس نہ بھی جائے تو وہ مالدار بن سکتا ہے اس کی جگہ دنیا کے کسی بھی حصہ سے ڈاکٹر اور انجینئر بلا کر معاوضہ دے کر رکھے جاسکتے ہیں۔ اسے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ کافی نہیں ہے زندگی کے مشن، انسانی ذمہ داری خودسازی اور سمت فکر کا تعین اسکے سامنے آتے ہیں پھر وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنی فکر و نظر کے لئے صحیح سمت کہاں سے حاصل کرے۔ فی الحقیقت وہ یورپ کی فلموں، سینماؤں ریڈیو ٹیلی ویژن اور فکری و تہذیبی ماحول سے بیگانہ ہوتا ہے اور اسے تباہ کن سمجھتا ہے اور اسی لئے وہ خود کو اس سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نظریات کی تلاش میں نکلتا ہے بائیں بازو کے نظریات اور دائیں بازو کے نظریات یہاں اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن و فکر کی طلب پوری کرنے کے لئے کسی نظریے سے متعلق کوئی بھی کتاب تھوڑے سے پیسے دے کر اس طرح خرید سکتا ہے جس طرح بھوک مٹانے کے لئے ایک سینڈوچ، لیکن نہیں، وہ اپنی تہذیب اپنے اسلام اور اپنے ایمان سے متعلق کوئی چیز پڑھنا اور سیکھنا چاہتا ہے۔ یہی وہ موقع ہے جبکہ المیہ

سامنے آتا ہے کہ وہ پوچھتا ہے میں کیا پڑھوں ؛ لیکن اسے اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملتا، جواب ملتا ہے تو صرف یہ اگر تجھے پیسے کی خواہش ہے تو ہم تجھے یہاں سے بھیجتے ہیں اگر تو روغن زرد چاہتا ہے تو ہم بھیج دیں گے کوٹ اور شلوار کی ضرورت ہے وہ بھی ہم یہاں سے بھیج سکتے ہیں لیکن کتاب و فکر کی بات کرنا ہے تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بھیجیں، اگر کوئی چیز مطالعہ و فکر کے لئے ادھر اُدھر سے حاصل کر کے بھیجی بھی جاتی ہے تو اس کی حیثیت سیلاب کے مقابل ایک قطرہ کی سی ہے جو اپنے اندر مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں رکھتا، بہت خوب قرآن اور نہج البلاغہ لیکن ایک گریجویٹ جوان جو ایران سے ایسی تعلیم کے ساتھ وہاں گیا ہے۔ اگر قرآن کو کھولے اور نہج البلاغہ کے صفحات پر نظر ڈالے تو اسے کیا مل سکتا ہے ؛ وقت کے مسائل بہترین تحریروں کے ساتھ بہترین ہنر کے ساتھ بہترین علمی ہتھیاروں کے ساتھ اور اعلیٰ ترین وعمیق ترین فلسفیانہ مسائل کے ساتھ اس کے سامنے آتے ہیں یا لائے جاتے ہیں وہ کس طرح ہر ایک مسئلہ کا حل قرآن اور نہج البلاغہ سے معلوم کر سکتا ہے ؛

ایسی صلاحیت تو ان علماء میں بھی موجود نہیں ہوتی جو پچاس ساٹھ سال ایک علمی ادارہ میں کام کر چکے ہیں، درس و تدریس میں مصروف رہے ہیں۔ عالم فاضل اور مجتہد کہلاتے ہیں۔ پھر ایک گریجویٹ یا یونیورسٹی کی ڈگری رکھنے والا نئی نسل کے جوان سے کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اجتہاد کرے۔

اب اس جوان نسل کے لئے یہ مسئلہ درپیش ہے وہ ایسے حالات میں گھری ہوئی ہے کہ ایک طرف سے افلاس فکر افلاس کتاب بلکہ ہر اس منبع اور سرچشمے کا افلاس جو اس کے لئے الہام بخش ثابت ہو سکتا ہے جو اسے ایمان و فکر سے بہرہ مند کر سکتا ہے۔ اس افلاس کے مقابل دوسری طرف ہر طرح کی دولت اور فراوانی ہے جو دل و دماغ پر

حکمران ہے۔ ان حالات میں ایک ایسا جوان جو سطحی فکر رکھتا ہے استعمار کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ دوسرا نوجوان جو سمجھ، احساسِ ذمہ داری رکھتا ہے سمجھدار اور سنجیدہ ہے وہ اغیار کی آئیڈیالوجی کو قبول کر لیتا ہے۔ آج نوجوان کیلئے یہ بھی مسئلہ درپیش ہے کہ وہ ان خطرات کے مقابل خود کو کس طرح محفوظ رکھے۔

میری نظر میں بنیادی مسئلہ یہی ہے۔ وہ کونسی رہنمائی اور ہدایت ہے جو ہم اس نوجوان کو دے سکتے ہیں۔ وہ کونسا لائحہ عمل ہے جو ہم اس کے لئے تجویز کر سکتے ہیں کہ وہ موجودہ اندرونی اور بیرونی حالات میں اس کی بنیادوں پر اپنی فکر اور اپنی ذات کے تحفظ کے لئے کچھ کرے اب یہ مسئلہ اس قدر نازک ہو چکا ہے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں، کا سوال ایک دوسرے اس سے زیادہ اہم سوال "کس طرح زندگی بسر کریں" کے تابع ہو کر رہ گیا ہے! کیا ہم اسی طرح رہیں جس طرح کے اس وقت رہ رہے ہیں زندہ رہنا ایک مسلمان اور شیعہ کی حیثیت سے زندہ رہنا، باخبر، ترقی پسند اور روشن فکر لوگوں کی ایک ذمہ داری بھی ہے اور ایک ضرورت بھی اور یہ ذمہ داری اور ضرورت ہر روز ایک جہاد کا تقاضا کرتی ہے نئی نسل کے آج کے نوجوانوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہر روز یہ جہاد کریں گے۔

ہمیں ان کے فکر و اعتقاد کے لئے ایک زمین ہموار کرنی چاہیئے اور خودسازی کا ایک لائحہ عمل ان کے سامنے رکھنا چاہیئے تاکہ وہ نوجوان جو خود کو ماحول کے بُرے اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے لچر اور بیہودہ بننے سے احتراز کرنا چاہتا ہے یہ جان سکے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ بے راہ روی سے ڈرتا ہے وہ اپنی خودآگاہی کی وجہ سے اس مقام پر پہنچا ہے اور موقتاً اسلامی اقدار سے اس کا تعلق اور وابستگی عشق کے مرحلے میں ہے لیکن اسے ابھی سے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں وہ خود نہ بدل جائے اور اس کے اپنے گھرانے میں تغیر نہ آ جائے وہ کسی نہ کسی طرح خود کو تو محفوظ

رکھے گا لیکن اسے آنے والی نسل ہاتھوں سے جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ گھر کے تمام افراد ایک ہی دسترخوان پر بیٹھتے ہیں ایک ہی گھر میں زندگی بسر کرتے ہیں لیکن مل کر دو باتیں نہیں کر سکتے۔ بات چیت میں وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور اپنے احساسات اور دکھ درد میں بھی پھر وہ دیکھتا ہے کہ یہ بچے جو خود اسکے گھر میں پل بڑھ کر ابھی جوان ہوئے ہیں لیکن وہ قلبی طور پر اس کے ساتھ ذرا بھی اپنائیت نہیں رکھتے قوا انفسکم و اھلیکم نارا یہ قرآن الٰہی جس وقت نازل ہوا تھا آج اس وقت سے زیادہ اس کی وسعت اور گہرائی کو سمجھا جا سکتا ہے اور خوف و خطر کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

خود کو اور اپنے خاندان کو آگ سے بچاؤ، کاش آج رسول اکرمؐ ہمارے درمیان ہوتے اور آج کی آگ کو دیکھتے کہ وہ کس طرح ہمارے دامن کو لگ گئی ہے اور ہمارے دلوں تک پہنچ گئی ہے کوئی نہیں ہے کہ ٹھنڈے پانی کا ایک قطرہ اس آگ پر ڈالے تاکہ اس نسل کی قوت مدافعت میں اضافہ ہو اور اس کے دکھوں میں کچھ کمی آ سکے۔

ہمارا سارا سرمایہ بھی بچے ہیں خصوصاً وہ نوجوان جو اس محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں، کشمکش اور خطرات کے محاذ پر ان میں ذمہ داری و جوابدہی کا احساس ہے۔ اگر یہ نسل ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے تو پھر ہمارے پاس کچھ باقی نہیں رہے گا سوائے اس کے بیٹھے قیامت کا انتظار کرتے رہیں۔ یہی نوجوان ہمارے لئے سب کچھ ہیں باقی سب باستان شناسی میں لگے ہوئے ہیں۔

آج مسائل اس قدر نازک اور شدید ہو گئے ہیں کہ ہر روز ایک نئی صورت حال کو سامنے لے آتے ہیں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نسل کی حفاظت کے لئے ہم کیا کریں؟ اس کے لئے ہمارے پاس کونسا لائحہ عمل ہے جو جد و جہد کی راہ متعین کرے، خود سازی کے راستے کا نشان بتائے اس ماحول میں جہاں تمام عوامل اس نسل

کو فریب دینے اسے بگاڑ کی راہ پر ڈالنے اسی کے قلب و روح کو تباہ کرنے اور ہڑپ کر جانے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس لئے میں سوچتا ہوں کہ اس مسئلہ کو سامنے لاؤں بلاشبہ نئی نسل کے لئے یہ حالات بڑے سنگین ہیں لیکن اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ فوراً ہی جناب آقائی خامنہ ای، جناب آقائی مطہری یا آقائی حجازی یا رفقاء میں سے کوئی اپنی جیب میں سے ایک نسخہ نکالے اور کہے کہ یہ شربت پیو اور یہ کیپسول کھا لو اور پھر یہ گولیاں استعمال کرو ہم اس طرح کی یہ جادوگری کسی سے نہیں چاہتے۔ اس سلسلے میں تو بہت باتیں کی جاتی ہیں، لیکن جو بات جتنی زیادہ فکری ہونے کے ساتھ عملی بھی ہوگی اسی قدر ہمیں راہ دکھانے۔ یا اس راہ سے قریب تر کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

میں اسلامی آئیڈیالوجی کے عنوان سے جس مسئلے کو پیش کرنا چاہتا ہوں وہ ان تقاضوں عملی احکامات، تکالیف، پس منظر اور خاص حالات سے تعلق رکھتا ہے جس سے نوجوان نسل دوچار ہے اس مسئلے کا تعلق علم و فلسفہ کے مختلف شعبوں میں نوجوان نسل کے مہارت حاصل کرنے اور ترقی کرنے سے نہیں ہے اگر مسئلے کا تعلق ان امور سے ہوتا تو میں اپنی زبان نہ کھولتا کیونکہ یہ میرے موضوع سے باہر ہے میں نے اگر لب کشائی کے حق کو استعمال کیا ہے تو صرف اس لئے کہ اگر میرے شاگردوں میں سے کوئی ان ہی حالات میں اور جو باتیں میں نے کہی ہیں ان پر توجہ دیتے ہوئے باہر جانا چاہتا ہے یا اسی ماحول میں یونیورسٹی میں جانا چاہتا ہے" ان ہی کتابوں کے ساتھ اسی فکری ماحول میں زندگی گذارنا چاہتا ہے اور اسی اجتماعی اخلاقی دائرے میں اور اسی تعلیم و تربیت کی فضا میں رہ کر سوچنا پڑھنا اور عمل کرنا چاہتا ہے اور اسلام سے اپنے تعلق کو ایک آئیڈیالوجی کے ساتھ وابستگی کی حیثیت سے نہ کہ ایک مذہبی روایت یا رسم کی حیثیت سے برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اس سب کے ساتھ وہ چاروں طرف سے

کئے جانے والے حملوں کے سامنے سینہ سپر رہنا چاہتا ہے ۔ اس بنیاد پر اگر وہ کسی مسئلہ کو پیش کرتے تو پھر میں ایک معلّم کی حیثیت سے اپنے تجربات کی روشنی میں ایک ایسا جواب دے سکتا ہوں جو مختصر اور ایک فارمولے کی صورت میں ہو میرا یہ جواب علمی، اعتقادی اور فلسفیانہ وسیع وعمیق بحث کی صورت میں تو نہیں ہوگا البتہ وہ ایسی اصولی و بنیادی باتوں پر مبنی ہوگا جو غور و فکر کرتے کام کرنے اور اس فکری و اعتقادی دائرے کا تعین کرتے میں معاون ثابت ہوگا میں سوچتا ہوں کہ نوجوان اس موقع پر سوالات کریں ایک اسی طرح کا ایک نوجوان نے مجھ سے سوال کیا تھا یہی وجہ ہے کہ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ مسائل کو پیش کریں اس نوجوان کا سوال یہ تھا، تمہاری نظر میں ہمارا اصلی اور سب سے اہم اور سب سے خطرناک دشمن کون ہے اور کیا ہے ؟ یہ سب سے اہم دشمن داخلی ہے، وہ اِس نظریاتی گروہ میں سے ہے یا اُس نظریاتی گروہ سے؟ میں نے اس نوجوان سے عرض کیا تھا کہ جب ہم خود کو "ہم" کہہ کر پکارتے ہیں تو مختلف سمتوں اور نقطہ نگاہ کی بنیاد پر اس ہم کے معنی مختلف ہوتے ہیں ۔ ایک وقت اس ہم سے مراد ملک کے روشن فکر مسلمانوں کا گروہ ہوتا ہے اس صورت میں ہم بعض بہت زیادہ خطرناک اور قریبی دشمن رکھتے ہیں کسی دوسرے وقت اس "ہم" کا مطلب نظریہ قرار پاتا ہے ۔ جس وقت یہ ہم ایک نظریاتی صورت اختیار کرتا ہے تو ہم اس کے اصلی و فوری خطرات نقصانات اور دشمنوں میں فرق کرتے ہیں ۔ سب سے پہلے جو تعینہ پیش کیا جانا چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس نوزاد اسلام کا تاریخی موقع و محل کیا ہے ؟ اس نوزاد اسلام کے تاریخی موقع کا مطلب نظریاتی صورت اختیار کرنے کا مرحلہ ہے ۔ اس وقت ہم اسی مرحلے سے گزر رہے ہیں مارکسزم سو سال پہلے اس مرحلے کو طے کر چکا ہے ۔ مینی فسٹو کے شائع ہونے سے لیکر اب تک سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں جب کہ ہم ابھی زمین ہموار کر رہے ہیں ۔ تاکہ ہماری جد وجہد بھی ایک مینی فسٹو کی صورت اختیار کرلے ۔ عصر تکوینی کے اعتبار سے

ہمارے اور مارکسزم کے درمیان کس قدر فرق ہے۔ ایک آئیڈیولوجی جو تکوینی مرحلے سے گذر رہی ہے اس کی راہ میں مسائل ضرورتوں ذمہ داریوں اور خطرات کا پیدا ہونا ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ جب وہ اس مرحلے کو طے کرلے گی تو اس کے یہ حالات و وسائل بالکل بدل جائیں گے لیکن جس وقت بچہ ابھی رحم مادر میں ہو اور وہ تکوین و تشکیل کے مرحلے سے گذر رہا ہو اس کے لئے خصوصی دیکھ بھال خاص غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے اس کو نقصان پہنچانے والی بیماریاں اور خطرات وارد بھی خاص ہوتے ہیں لیکن ولادت کے بعد اس کے مسائل بالکل بدل جاتے ہیں فکر اسلامی کے طلوع ہونے کے ایک نقطے پر اسی اسلام کی اساس پر جو وحی ہوا ہے اسی اسلام کی بنیاد پر کہ جس کے سائے میں علی کی تربیت ہوئی ہے چاہیئے کہ اس اسلام کے عناصر کو اس مذہب کے عناصر کو مسلمانوں کی اس عظیم تہذیب کے اندر سے کھینچ کر باہر لائیں اور ایک بار پھر تجدید کریں۔ مذہبی آئیڈیولوجی کی تکوین سے ہماری مراد یہ ہے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے اقبال کے پاس اس کے لئے بڑی بہتر اصطلاح (RECONSTITUTION) ہے یعنی مذہبی طرز فکر کی تعمیر نو حقیقتاً یہ اصطلاح تکوین سے بہتر ہے ہمیں تعمیر نو کے اس مسئلے کو طے کرنا ہے۔ اس مرحلے میں خطرناک دشمن غلط تجزیہ ہے ایک بار ہم اس خراب تجزیے کا مزا چکھ چکے ہیں۔ اسلام اپنی تاریخی اجتماعی اخلاقی اور انسانی تکوین کے آغاز میں خراب تجزیے کا شکار ہو چکا ہے اور ہم اس وقت بھی ایک بیمار اسلام سے سروکار رکھتے ہیں اسے مسموم غذا دی جاتی رہی ہے۔ ہندی غذائیں، مجوسی غذائیں، یونانی غذائیں، اسکندرانی غذائیں اس کا نتیجہ یہ نکلا اس اسلام کے مزاج میں تغیر آگیا وہ عناصر اربعہ جو توازن پیدا کر سکتے، اس کی سلامتی زندگی اور نشوونما کی حفاظت کر سکتے تھے انتشار سے دوچار ہو گئے، اچانک ایک فلسفہ میں الجھ گیا، ایک عرفان ایک تصوف میں ڈوب گیا ایک انسانیت میں پھنس گیا۔ ایک کو علمی باریکیوں کا چسکا لگ گیا ایک نے نئے یونانی فلسفہ کی عقدہ

کتاب خانہ

کشائی کی۔ ایک علمار ہند سے الجھنے لگا اور ایک نے ایرانی فلسفہ کی گتھیاں سلجھانی شروع کردیں۔ ایک بہت ہی محترم و مشہور فلسفی نے اپنی کتاب فلسفہ میں فلسفہ نور اکندرانی اور نور اسپہبدیہ اور آریائی نکات کے بارے میں گفتگو کی ہے اب اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔

یہ وہ عناصر ہیں جو اسلام کی بصیرت، روح، اندیشہ، دماغ اور خون میں داخل ہوگئے اب اسلام کو اجنبی عناصر سے پاک کرنے اور اسے اپنے اصلی مزاج پر لانے اولین اسلام کے حقیقی چہرہ کو نکھارنے اور اسلام کو خارجی جراثیم سے پاک کرنے کے لئے ٹھوس کام کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ ملمع کاری، رنگ آمیزی اور نمائشی و سطحی کام ہمیں بنیاد سے لے کر آخر تک تعمیر نو کا کام کرنا ہوگا۔ ہمیں ایک ایسی عمارت کھڑی کرنی ہوگی جس کی ابھی دو چار اینٹیں بھی نہیں رکھی گئی ہیں ایک ایسے مرحلے میں جسے رحم مادر میں بچے کی پرورش کا دور کہا جاسکتا ہے فاسد تجزیہ ایک ایسی خرابی پیدا کرتا ہے جو بچے کی ولادت کے بعد بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

اس وقت دو طرح کے خطرات کا سامنا ہے جس سے ہر شخص اچھی طرح واقف ہے جیسا کہ میں پہلے اس جانب اشارہ کر چکا ہوں ہمارے نوجوان دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جن کا سوچنے کا انداز سطحی ہے اور وہ وقت کے دھارے کے ساتھ بہنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ابتدا سے ان کے سامنے نہ کوئی روشنی ہے اور نہ راستہ اور نہ منزل یہ نوجوان یورپی ممالک میں زندگی بسر کریں یا اپنے وطن کے اس ماحول میں رہیں جو فلم آج ہالینڈ اور پیرس میں دکھائی جاتی ہے وہی ہمارے شہروں میں بھی نمائش کے لئے موجود ہوتی ہے۔ ہم اگر دوسروں سے پیچھے ہیں تو صرف عقل اور شعور کے معاملے میں پیچھے ہیں۔ اس اعتبار سے خواہ تہران ہو یا یورپ کا کوئی شہر ہمارے لئے برابر ہے کیونکہ یہ بیماری دونوں ہی جگہ موجود ہے۔

اس ماحول میں سطحی فکر رکھنے والے نوجوان استعماری تہذیب کا لقمہ بننے کے لئے پوری طرح تیار ہیں ان کی مثال اس بے جان ماڈل کی طرح سے ہوتی ہے جسے آپ جو چاہیں لباس پہنا دیں اور موجودہ اقتصادی نظام اور اپنے معاشی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہر سانچے میں خود کو ڈھال سکتے ہیں وہ اپنے لباس اور وضع قطع میں انگریز بننے کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں۔ ان کا کردار اس انگریزی فلم کا سا ہے جسے فارسی میں ڈب کیا گیا ہو۔

دوسری قسم کے نوجوان وہ ہیں جو کچھ سوچتے سمجھتے ہیں انسانی اقدار کا کچھ شعور ان میں موجود ہے ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں ذمہ داری کا احساس بھی ہے اور وہ انفرادی مفادات پر انسانی اجتماعی مقاصد کو بھی مقدم رکھتے ہیں یہ وہ نوجوان ہیں جنہیں نہ ذہنی غذا کی ضرورت ہوتی ہے ایک بھوکے شخص کے دسترخوان پر صبر کی توقع رکھنا صحیح نہیں ہے ذہنی طور پر یہ بھوکے نوجوان غذا کی تلاش میں نکلتے ہیں اور جو کچھ انہیں مطالعہ کے لئے ملتا ہے اُسے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کی اس بھوک سے فائدہ اٹھانے والے موجود ہیں وہ اپنے مقاصد کے لئے ان کے ذہن و فکر کو متاثر کرتے رہتے ہیں تکوینی دور سے گذرنے والی اس آئیڈیولوجی کو لاحق خطرات میں سے ایک خطرہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان سرمایہ داری اور مفاد پرستی کا شکار ہو کر پست اور ناکارہ ہو جائیں جس کا ہمارے نظریے اور ہماری تہذیب سے کوئی رشتہ نہ ہو اور جو درحقیقت اسلام کی نفی کرتی ہو ظاہر ہے ان دونوں صورتوں سے ہمارے نوجوانوں کو اپنے نظریے سے اور اپنی اعتقادی بنیادوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اسی لئے میرے نزدیک دوسری آئیڈیولوجی ایک بڑے دشمن کی حیثیت رکھتی ہے۔ دراصل یہ دشمن ایک ایسی طاقت ہے جس کا مقصد ہماری بنیادوں کو ڈھانا اور ہمارے اجتماعی مقاصد کو پامال کرنا

ہے ہمارے اور اس کے درمیان کوئی وجہ اشتراک موجود نہیں ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم باقی نہ رہیں۔ ایک طرف اسلام کا مقابلہ استعمار سے ہے اور دوسری طرف مادہ پرستانہ نظریہ سے ان دونوں میں فرق ہے۔ آج مشرق وسطیٰ میں کس چیز کا خطرہ ہے مشرق وسطیٰ بلکہ آپ پورے ایشیا پر نظر ڈالیں مشرق بعید سے لے کر یورپ کی سرحدوں تک جائزہ لیں آپ ترکی کو دیکھیں ہر جگہ ایک اسلامی انقلاب کی موج اٹھ رہی ہے اور مغربی استعمار کی جڑوں کو اکھاڑ رہی ہے اور یہ موج ہمارے روشن فکر نوجوانوں کے دل و ذہن پر چھائی جا رہی ہے اور اس لئے مارکسی نظریات کے لئے جگہ تنگ ہوتی جا رہی ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس علاقہ میں مارکسزم اسلام کا اس لئے دشمن بن گیا ہے کہ اسلام اس کے دائرے کو تنگ سے تنگ کرتا جا رہا ہے۔ اور ایک نظام فکر کی حیثیت سے اس کو پسپائی پر مجبور کرتا جا رہا ہے۔ اسی طرح استعمار اسلام کا اس لئے شدید مخالف ہے کہ وہ ایک انقلابی قوت بن کر ابھرا ہے اور وہ استعمار کی ایک طاقت کی حیثیت سے نفی کرتا ہے۔

یہ وہ عفریت ہیں جن کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے ایک ہمارے اور ہماری نئی نسل کے دل و دماغ پر قبضہ جمانا چاہتا ہے اور دوسرے ہمارے وسائل معیشت پر کنٹرول حاصل کر کے ہمیں اپنا غلام بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ تضاد اور اختلاف رکھتے ہیں لیکن ہماری آئیڈیولوجی کی بیخ کنی کرنے میں مشترک ہیں اور دنیا کے اس انتہائی حساس علاقے میں ہمارے خلاف سازباز بھی کرتے رہے ہیں اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔

ایک دوسرا مسئلہ بھی بڑی بنیادی اہمیت رکھتا ہے اس پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی ہمارے نوجوانوں کے لئے

حقیقتاً کیا ہے ؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم خود الجھے ہوئے ہیں اس کا تعلق نہ استعمار سے ہے اور نہ کسی دوسری آئیڈیولوجی سے ہم نے ابھی ایک ایسے مرحلے میں قدم اٹھایا ہے جسے نیم روشن فکری کہا جا سکتا ہے اس کی مثال ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والا وہ مرحلہ ہے جسے (ADOLESCENCE) بلوغیت کے قریب ہونے کا مرحلہ کہا جاتا ہے یہ ایک بحران اور ہیجان کا زمانہ ہوتا ہے۔ انسان کی تمام اندرونی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں اور ایک نئی شخصیت تشکیل پانے لگتی ہے۔ نوجوانوں کے لئے یہ ایک بڑا نازک دور ثابت ہوتا ہے وہ فکری و روحانی بحرانوں سے دوچار ہوتے ہیں ان میں سے بعض مایوسی کا شکار ہو کر خودکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں اور بعض دیوانگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود زندگی کا یہ مرحلہ اس کی ترقی اور بالیدگی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے وہ اسے جسمانی اور روحانی بلوغ کی منزل تک پہنچاتا ہے اگر انسان کی زندگی میں یہ مرحلہ نہ آئے تو پسماندہ اور جامد رہے تو تکمیل کی جانب قدم بڑھانا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہماری ملی زندگی میں جو بحران اور ہیجان پیدا ہو گیا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی بلوغت کی منزل سے قریب تر ہو گئی ہے۔ ہمارا یہ سوچنا اور غور و فکر کرنا اس کی سب سے بڑی علامت ہے۔

اب تک ہم جس اسلام کو اپنائے ہوئے تھے۔ وہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں رکھتا تھا۔ مکتب میں ہماری توحید کا درس مکمل ہو جاتا تھا اور ہماری مائیں یہ بتا دیتی تھیں کہ ہمارا اسلام کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس معاملے میں ہمیں اپنے باپ سے رجوع کرنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی تھی ہم ہر چیز کو اور دین کے تمام اصول و فروع کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ اصول تو مکتب میں یاد کرا دیئے جاتے تھے جہاں تک فروع کا تعلق ہے وہ ہماری مائیں خالائیں اور پھوپھیاں یاد دلاتی تھیں مسائل اور فروع

سے آگے بڑھ کر مزید جن باتوں کا علم حاصل کرنا ہوتا تھا تو اس کے لئے پانچ تومان میں ایک رسالہ عملیہ مل جاتا تھا جس میں بہت کچھ ہوتا تھا۔ اگر آخرت کی ہمیں فکر ہوتی تو بہشت کی ساری کنجیاں ہمیں کتاب مفاتیح الجنان میں مل جاتی تھیں لیکن اب کے اسلام محض رسوم و رواج کا ایک مجموعہ نہیں رہا ہے اور وہ ایک آئیڈیالوجی نظام فکر اور طریق زندگی کی صورت میں ایک بار پھر ابھر رہا ہے تو بلاشبہ ہم کشمکش، موانعات، اضطراب و تشنج، نارسائیوں، مشکلات اور الجھنوں سے دوچار ہوں گے۔ یہ ساری باتیں اس بات کی علامت ہیں کہ اسلام اپنے نئے تکوینی مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گذر رہا ہے۔ اگر ہم آگاہ و ذمہ دار لوگوں کی آگاہی اور احساس ذمہ داری کے سہارے اس مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گذر گئے تو ہماری بلوغت کی یہ منزل خود ہماری زندگی میں آجائے گی جیسا کہ ہندس نے کہا تھا "یہ ایک ایسا معجزہ ہے جسے ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اسے محسوس کرتے ہیں" اس معجزہ پر ہمیں اس طرح تکیہ نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم میں احساس ذمہ داری ختم ہو جائے بلکہ اسے ایک محرک اور عامل کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے جو عمل اور جد وجہد کی راہ میں ہمیں ابھارے اور آگے بڑھائے۔ آج اسلام آئیڈیولوجی کی صورت میں ایک بار پھر ابھرا ہے اس کے بارے میں آج ہم عدم یکسوئی اور اختلاف رائے کی جو کیفیت محسوس کر رہے ہیں وہ ختم ہو جانی چاہیئے۔ ہمارے نظریے کی حدود اور بعد متعین ہو جانے چاہئیں اور موجودہ اصطلاح میں اسے ایک مینی فیسٹو کی صورت مل جانی چاہیئے تاکہ ہر طرح کے لوگ اس سے اتفاق کریں آج ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ اپنے اصول اعتقاد کے لئے متعین سمت اختیار کرنا ہے اس لئے ہم ایک ایسے مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں جس میں پہلے کی طرح امام زمان کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلام کے جزئی مسائل کے بارے میں ہمارے پاس ان کی عقلی توجیہہ موجود ہے۔ ہم آگاہی رکھتے ہیں، کچھ کتابیں رکھتے ہیں، ہم دنیا کے جدید

افکار سے واقف ہیں ہم نے اسلامی موضوعات اور عناصر اسلامی کو عقلی اور منطقی طور پر اس طرح پیش کیا ہے کہ انہیں ہماری نئی نسل روشن فکر نوجوان سمجھ سکیں۔ اور قبول کر سکیں لیکن آئیڈیولوجی کی بنیاد پر تعمیر کا کام ابھی باقی ہے اس کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ کمیشن تشکیل دینے کی۔ یہ مارکسزم ہے جس میں حکومت کی طرف سے ایک کمیشن تشکیل دیا جاتا ہے یہ کمیشن آئیڈیولوجی کا تعین کرتا ہے۔ لیکن نہ ہم کوئی کمیشن رکھتے ہیں اور نہ شیعوں میں کسی ایسے کمیشن کا تصور ہے شیعہ کے بہترین امتیازات میں سے یہ ایک امتیاز ہے کہ راستہ ہمیشہ حرکت و عمل کے لئے کھلا ہوا ہے۔ ہر شخص کسی بھی مرحلہ میں کسی بھی رہبر کسی بھی امام اور کسی بھی ولی کی تقلید سے نکل کر دوسرے کو اپنا مرجع بنا سکتا ہے۔ وہ خود اپنے مُلّا کا انتخاب کرتا ہے مُلّا اسے منتخب نہیں کرتا۔ اس سے بخوبی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تشیع میں ایک طرح کی عوامیت ہے کوئی قانون کوئی مرجع اور کوئی قوت ایسی نہیں ہے کہ ہمارے مراجع کو ہم پر مسلط کرے یہ خود عوام ہیں جو ان کا انتخاب کرتے ہیں۔ اب تشیع میں یہ طریقہ ہے کہ ہر شخص خود اپنے مُلّا کو پسند کرتا ہے اس کی باتیں سنتا ہے اس کے شعور اس کے تقویٰ اور اس کی قدر کو دیکھ کر اُسے منتخب کرتا ہے اور اُسے قوت فراہم کرتا ہے اگر کچھ ادارے کسی کو اوج فلک پہ پہنچا دیں اور ملائکہ کی طرف سے ایک تاج بھی اس کے سر پہ رکھوا دیں تو پھر بھی کوئی شخص اس کی بات نہیں سنے گا۔ یہ ایک بڑی اہم بات ہے اہل تشیع میں کوئی طاقت خواہ اسے ہر کام انجام دینے کی قدرت حاصل ہو اُسے مُلّا سازی کی قدرت حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اہل تشیع کو بے حد محفوظ رکھتی ہے اس بات سے کہ وہ خریدے جائیں محفوظ اس بات سے کہ وہ کسی جمود کا شکار ہو جائیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں اسوقت بھی جب کہ وہ تین سو سال سے جمود کا شکار رہیں۔ ان کے لئے ہمیشہ حرکت و عمل کے مواقع اور راہ کھلی ہوئی ہے مجھ جیسا

بے بضاعت آدمی جو کوئی امتیاز نہیں رکھتا جو کچھ چاہے کہہ سکتا ہے۔ ایسا نہ مسیحیت میں ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب میں فوراً کہنے والے کے خلاف ایک فتوای صادر کردیا جائے گا بلکہ اسے اس جواب کا خوب مزا چکھا یا جائے گا۔ان مسائل سے ایک کا تعلق ہماری ایڈیالوجی کے حدود اربعہ کے مفہوم سے ہے لیکن حدود اربعہ کے الفاظ مطلب کو بخوبی واضح نہیں کرتے۔اس کے بجائے جہت یا سمت بڑا بامعنی ہے جیسا کہ میں نے داستان حر میں کہا ہے۔ حر میں جو اچانک تبدیلی پیدا ہوئی وہ جہت یا سمت کی تبدیلی تھی یہ بات مسلم ہے کہ حر عاشورا کی صبح اور تاسوعا کے دن بھی نماز پڑھتا رہا ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں اس نے امام حسین کے پیچھے بھی نماز پڑھی ہے، وہ نماز پڑھنے وال روزہ رکھنے والا تھا وہ پیغمبر پر ایمان رکھتا تھا اور خاتمیت پر ایمان رکھتا تھا۔ قرآن پر ایمان رکھتا تھا اور توحید پر یقین رکھتا تھا۔اور امام حسین نے اسے کوئی نئی چیز نہیں دی عاشورہ کے ظہر کو اس نے امام حسین سے کوئی نئی چیز نہیں لی اور نہ کوئی تازہ درس نہ کوئی تازہ کلام نہ کوئی فقہ نہ نیا اصول اسے امام حسین نے کوئی نئی چیز نہیں دی لیکن اسے کیا چیز دی، کہ وہ کوفہ کی پولیس سے اور کوفہ کے افسر پولیس سے ایک دوسری شخصیت میں تبدیل ہو گیا اس کا چہرہ ۲۷ شہداء کے زیباترین چہروں میں شامل ہو گیا کس چیز نے اس میں اتنی بڑی تبدیلی پیدا کر دی؟ یہ چیز سمت یا جہت تھی اس خاص واقعہ کا ذکر کرنے سے مراد مسئلہ جہت کو سامنے لانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ مثال مسئلہ کو حل کر دیتی ہے اگر کوئی سمت یا جہت موجود ہو تو پھر کوئی خاص بات ہی نہیں تمام اسلامی معارف ہی نہیں بلکہ اسلام میں داخل کی جانے والی تمام خرافات اور تمام جعلی روایات حتّٰی کہ زنجیر زنی اور سینہ کوبی بھی واقفیت کے لئے مفید ہو سکتی ہے ان کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے

یہ معلوم کیا جاسکتا کہ کہاں زیادتیاں کی گئی ہیں اور کہاں کہاں انحراف کیا گیا ہے۔ یا اپنے ذہن میں صحیح اسلام کی صورت بٹھانے کے لئے ان سے کام لیا جاسکتا ہے اگر کوئی مفکر جہت رکھتا ہے اور اس نے اجتماعی اور اسلامی جہت کا ٹھیک ٹھیک علم حاصل کر لیا ہے تو کتاب بحار الانوار بھی اس کے لئے ایک بڑا گنجینہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی جہت نہیں رکھتا تو بحار الانوار ہی کیا اگر وہ قرآن صرف قرآن سے رجوع کرے تو اس کا یہ رجوع کرنا دو پیسے کی بھی قیمت نہیں رکھتا بے جہت سمت بھی بے معنی ہے جہت کے بغیر توحید بھی بے معنی ہے۔ امام صادقؑ نے کتنی عمدہ بات کہی ہے حجت کافی کے باب میں وہ امامت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ آپ کسی جنگل میں بکریوں کے ایک گلہ کا تصور کریں ایک بکری اپنے ریوڑ سے پیچھے رہ جاتی ہے اور ریوڑ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے یہ بکری جنگل میں آوارہ پھرتی رہتی ہے۔ اچانک ایک دوسرے ریوڑ کو دیکھ کر خوش ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہو جاتی ہے لیکن بعد میں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کا ریوڑ نہیں پھر وہ جنگل میں پہنچ جاتی ہے کبھی اس ریوڑ کے ساتھ ہو جاتی ہے تو کبھی اس ریوڑ کے ساتھ۔ بالآخر اسے ایک جگہ مل جاتی ہے اور وہ جگہ بھیڑیئے کا شکم ثابت ہوتی ہے کس عمدہ طریقے سے اس مثال کے ذریعہ مسئلہ جہت کو واضح کیا گیا ہے۔ جہت، امامت یعنی جہت۔ امامت کے اصل معنی جہت ہیں جہت امامت کے تعبیری معنی نہیں ہیں اس جہت پر چلو اگر اس جہت سے تم نے ذرا سا بھی سر موڑا تو کتاب اور سنت سے بھی ہدایت حاصل نہ کر سکو گے حتیٰ کہ توحید، اگر توحید جہت رکھنے والی نہ ہو تو توحید اور اثبات سے متعلق کلام حکمت اور فلسفہ کے تمام ڈھیر فضول خیالات کا مجموعہ بن کر رہ جائیں گے۔ اگر توحید جہت رکھتی ہو تو وہ ایک معمولی آدمی کو۔ ابوذر غفاری بنا دیتی ہے۔ ابوذر نے ایک توحید کے سوا کچھ نہیں سنا تھا

پیغمبر اسلام نے فرمایا بدر کے یہ جوان کتنے اچھے ہیں وہ جو بدر کے میدان میں شہید ہوئے ان میں سے بعض بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی عبادت بھی ٹھیک سے انجام دی ہے اور بغیر اس کے کہ ایک نماز یا ایک روزہ بھی ٹھیک سے رکھا ہے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انہیں کسی چیز کی فرصت نہیں مل سکی کہ بدر کا معرکہ پیش آگیا، وہ اس میں کود پڑے اور اس طرح بدر یا احد کے شہداء میں شامل ہو گئے۔ اس سے بہتر کوئی دوسری خوش نصیبی ہے؟

آئیڈیولوجی کی اس جہت میں ایک ایسا فقیہہ کہ جس نے اپنی ساری عمر خشک فقہ پڑھنے میں صرف کی ہے۔ کتنی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ متعین جہت رکھنے والی اس تحریک میں کوئی پہلوان، کوئی مجاہد اور کوئی رہبر اس فقیہہ کی جگہ نہیں لے سکتا اور تم اس فقیہہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ جب مسئلہ توحید میں اس جہت کا سوال پیدا ہوتا ہے یہ اپنی بلندی پہ پہنچ جاتا ہے ہم ایک توحید اُمّی رکھتے ہیں اور ایک توحید عملی رکھتے ہیں اور ایک توحید فلسفی۔ کہتے ہیں دنیا سکل کو ہائیڈگر کو اور سارٹر کو پیش کرتی ہے ہمیں ایک ایسے عالم کو ان کے مقابل لانے کی ضرورت ہے جو ملا صدرا، ابو علی سینا، خواجہ نصیر اور ان کے علوم سے آشنا ہو تاکہ وہ بات کر سکے۔ لیکن اگر یہ عالم جہت رکھتا ہو تو کام آ سکتا ہے جہت ایک لشکر کشی کے مانند ہے۔ لشکر کشی اگر صحیح ہو افسر بھی مفید ہے نقشہ بنانے والا فلم ساز، شاعر حتیٰ کہ لشکر کے لئے سبزی صاف کرنے والا بھی مفید ہے سب اس جہت ہی کے تحت معنی پیدا کرتے ہیں لیکن جہت کے ختم ہوتے ہی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے ہمارے ذہن میں ہمارے روشن فکر افراد کے ذہن میں فطری اور سو فی صد طور پر متعین طور پر جو چیز موجود نہیں ہے وہ جہت ہے میں آج کے رو بہ ترقی اسلام کی بنیاد پر سوچتا ہوں مجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ استعمار کے

مقابل مارکسزم کے مقابل سرمایہ داری اور ہیورو کریسی کے مقابل اور مارشنسم کے مقابل مفاد پرست انسان کے مقابل جنسی آزادی موجودہ تمدن اور دوسرے ازموں کے مقابل میری جہت کیا ہے ؟ ان سب کے مقابل میرا محاذ کونسا ہے میری جگہ کیا ہے میری جہت کہاں ہے میری ذمہ داری کیا ہے کن چیزوں کی میں نفی کروں اور کن کا اثبات کروں ، اور ان سب کے مقابل مجھے کیا کرنا چاہیئے ؟

میں یہاں مذہب کی بات نہیں کروں گا۔ اسلام کی بات نہیں کروں گا۔ دینی تبلیغ کا ذکر بھی نہیں کروں گا میں ایک طالب علم کی بات کرتا ہوں جس نے ہارورڈ ، سوربون اور کیمبرج میں تعلیم حاصل کی ہے اور دنیا کی تاریخ کو انسان اور پورے کرہ زمین کو اس نے ان ہی علمی مراکز سے دیکھا ہے اور وہ بلند تر اور آزاد تر ہونا چاہتا ہے ۔ اگر یہ طالب علم تاریخ کے تمام محاذوں" تحریکوں فلسفیوں مقاصد وادیاں اور انقلاب پر نظر ڈالے اور ان کا تجزیہ کرے تو وہ تین بنیادی اصولوں تک پہنچتا ہے جو ساری تاریخ انکی تحریکوں اور انقلاب کی توجیہہ کرتی ہے

۱۔ ایک عرفان اور عشق ہے یہ وہ بنیادی جوہر ہے جس نے تاریخ انسانی کے دوران تمام تہذیبوں تمام اخلاقی قدروں ، تمام انقلابی تحریکوں اور تمام تخلیقی صلاحیتوں کو قوت اور حرکت دی ہے اور ہمیشہ انسان کو معنویت بخشی ہے اور حیات و وجود کو ایک جہت اور ہدف دیا ہے ۔ آپ کسی بھی مذہب کا مطالعہ کریں اس میں یہ بنیادی جوہر موجود ہوگا۔ اسی طرح ہر مکتب فکر اور ہر فلسفہ اس جوہر سے بہرہ مند ہوگا ، لیکن سطحی ، خیالی اور فضول چیزوں میں آپ کو یہ جوہر کبھی نہیں ملے گا۔ ہر وہ بات جو معاشرہ میں حرکت و عمل پیدا کرتی ہے وہ اپنے اندر یہ جوہر رکھتی ہے ۔ جب افراد میں یہ جوہر کام کرتا ہے تو وہ کچھ انسانی نمونوں کو وجود میں لاتا ہے جیسے اس نے ایک شہزادہ کو ابراہیم ادھم بنا دیا دربار سے وابستہ ایک فلسفی کو غزالی بنا دیا ایک چور کو

نفیس عیاحن بنادیا تعمیر اس جوہر کا اصل کام ہے یہی جوہر ملتوں کو اور ان کی تہذیبوں کو جوشش میں لاتا ہے اور انہیں وجود بخشتا ہے۔ عرفان کے ذریعے ملنے والا احساس ہی ہے جس نے انسانی وجود کو قدر و قیمت عنایت کی ہے زندگی کو ایک لطف اور ایک معنی دیا ہے اور ساری دنیا کو ایک بامعنی ہدف اور تفسیر میں بدل دیا ہے یہ عرفانی احساس انسانوں میں ملکیت کا تصور پیدا ہونے کے دور سے پہلے بھی انسان میں موجود رہا ہے۔ پتھر کے تیسرے دور کے وجود میں آنے سے پہلے اور طبقاتی معاشرہ تشکیل پانے سے بھی پہلے یہ عرفانی احساس موجود رہا ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زمانے کے یہ ادوار اس کے وجود میں آنے کا سبب ہیں حتیٰ کہ ڈارون جیسے شخص کے ایک تحریر کے مطابق یہ احساس عرفانی ہی ہے جو بنی نوع آدم کی پیدائش اور اس کے بندر سے انسان بننے کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس احساس عرفانی کے بارے میں یہ تک کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ایک حیاتیاتی تعریف بھی رکھتا ہے۔ یہ عرفانی احساس انسانی وجود اور ذات کی گہرائی میں اپنی جگہ رکھتا ہے اور عرصہ تاریخ میں اس نے شہادتوں، فدا کاریوں اور اعلیٰ قدروں کو وجود عطا کیا ہے اخلاق و اقدار کا پورا تمدن اور انسانی قدروں کا سارا نظام اسی عرفانی احساس پر تعمیر ہوتا ہے۔ جب سے اس احساس کو کمزور کیا گیا ہے انسانی اقدار کی ساری عمارت تمام اخلاقی قدریں سارے پاکیزہ روابط زندگی کی ساری فضیلتیں اور تقدیس سب کی سب ڈھ گئی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ برابر ڈھتی جا رہی ہیں۔

۲۔ دوسرا جوہر آزادی ہے مذہب میں یہ کلمہ ایک گہری جہت رکھتا ہے لیکن جدید مادہ پرستانہ فلسفوں اور تاریخ میں ان کے معنی بڑے سطحی اور وسعت سے خالی ہیں۔ بہرحال آزادی انسانی وجود کی جہتوں میں سے ایک جہت ہے۔ تمام نجاتی مذاہب کی پوشیدہ آرزو ہے۔ ہندی فلسفہ میں اسے موکشا کہتے ہیں اس فلسفہ کے اعتبار

سے تمام مذاہب کی آرزو نجات ہے یعنی تناسخ کے اس چکر سے انسان کی نجات اس لئے کہ تناسخ اس فلسفہ کی رو سے ایک قید خانہ ہے مذہب آیا ہے تاکہ انسان کو خودسازی کی جستجو کے ساتھ تناسخ کے اس چکر سے نکالے اور ابدیت کی طرف لے جائے نجات اصل آرزو ہے اسلام میں اس آرزو کا نام فلاح ہے البتہ اختلاف معنی کے اسی اندازہ کے ساتھ جو لبرٹی اور فلاح کے مابین ہے۔

لبرٹی سے مراد ہیں ایک بند سے آزاد ہونا ہے لیکن فلاح کا لفظ اپنے اندر پورے وجود کی مکمل آزادی کا مفہوم رکھتا ہے اس سے مراد ایک شخص کا قید سے آزاد ہونا نہیں ہے۔ اس کا مطلب کسی ایک رکاوٹ کا دُور کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایک طرح کا رشد ہے ایک طرح کا کھلنا ہے تمام مذاہب میں تمام اجتماعی اور سیاسی کوششوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی ان تمام جہادوں اور شہادتوں کے لئے ایک بڑے محرک کی حیثیت رکھتی ہے حصول آزادی کے لئے رونما ہونے والے انقلابات کی تاریخ کا کسی بھی دور سے اس وقت تک جائزہ لیں، آپ کو کسان مزدور اور روشن فکر عوام حصول آزادی کے لئے خون اور زندگی کا نذرانہ پیش کرتے نظر آئیں گے اور ان کا صرف ایک ہی مقصد نظر آئے گا اور وہ یہ کہ استعمار امپیریلزم اور ڈکٹیٹرشپ کو نابود کردیں یہ جد وجہد آج بھی موجود ہے اور تاریخ کے ہر دور میں موجود رہی ہے اسی لئے آزادی چاہیئے اور آزادی طلب کرنے کی جہت اور مقصد کو ایک ایسے بڑے عامل کی حیثیت حاصل ہے جو انسان کو جمود سے خواب اور غلامی سے جھنجھوڑ کر نکالتا ہے اور اسے ایک بیرونی طاقت کے تسلّط سے نجات دلاتا ہے۔

۳۔ تیسری چیز عدالت ہے جب سے کہ امتیاز و ناانصافی کا آغاز ہوا اسی وقت سے اس کے انسداد کی کوششیں شروع ہوگئیں تشیع اور انسانی تاریخ کے فلسفہ کی

ساری جستجو کا تعلق ظلم کے ساتھ جنگ اور عدالت سے ہے تاریخ کا اس نوع کا جائزہ محض ذہنی نہیں بلکہ عینی جائزہ ہے جس قدر ناانصافی، استحصال، اور طبقاتی تفاوت زیادہ ہوتا ہے اسی قدر عدل وانصاف کے لئے جد وجہد اور جنگ بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک عالمگیر دھماکے کی صورت اختیار کرلیتی ہے جب سے کہ مشینی دور کا آغاز ہوا ہے، مشینری نے پیداوار اور نفع اندوزی میں سوگنا اضافہ کردیا ہے۔ زمین کا مالک ایک کسان اور اس کے ایک بیل سے کس قدر نفع اندوزی کرسکتا ہے۔ وہ پانچ خروار (اندازاً ۳۰۰ کیلوگرام پیدا کرتا ہے ایک خروار سے پانی اور زمین کا خرچ پورا کرتا ہے ایک خروار بیجوں کے لئے اور ایک خروار خود کسان کے اپنے خرچ کے لئے اور باقی ماندہ دو خروار زمین کا مالک لے جاتا ہے۔ لیکن جب بیل کی جگہ مشین لے لیتی ہے تو یہ پانچ سو گنا زیادہ اناج پیدا کرتی ہے اور وہ سب سرمایہ دار لے جاتا ہے اس صورت میں طبقاتی فرق ایک وحشتناک صورت میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر طبقاتی دشمنی نفرت اور کشمکش کا ایک بنیادی حصہ بن جاتی ہے۔ اسی بنا پر عدل وانصاف کے لئے کوششیں ایک عوامی جدوجہد میں تبدیل ہوجاتی ہیں اور فوری طور پر اس کی مذمت مشکل ہوجاتی ہے، ہر مذہب ہر آئیڈیولوجی پر اسلام اور ہر شعیت جو اسے اپنا مسئلہ نہیں بناتی اور اس کا کوئی حل پیش نہیں کرتی اور خود کو اس راہ میں اور آج کے سماجی انصاف طلب کرنے کے انقلابی معرکہ اور سرمایہ داری کے خلاف کشمکش میں نہیں ڈالتی تو وہ جادہ حیات سے ہٹی ہوتی ہے اس کی موت اور شکست یقینی ہے اس لئے یہ ملّی کا اسلام نہیں یہ سرمایہ دار کا اسلام ہے جسے ختم ہوجانا چاہیئے سرمایہ دار مشین بھی رکھتا ہے اور دنیا کے تمام وسائل پر بھی قابض ہوتا ہے اور اس کی پیدا کردہ ناانصافی کے خلاف جنگ تاریخ کے ہر دور میں موجود رہی ہے اور ایک نسل سے

دوسری نسل تک پہنچتی رہی ہے آج ہمارے زمانے میں بھی یہ جنگ اس طرح پھیل گئی ہے اور اس نے اپنے اندر اس قدر شدت وحدت پیدا کر لی ہے۔ اکثر ہمارے روشن فکر افراد اس میں اتنے غرق ہو گئے ہیں کہ انہوں نے وجود انسانی کے تمام تقاضوں اور انسانیت کی ساری جہتوں کو بھلا دیا ہے اور ان کے ایک رخ پر بہہ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور اگر عوام اور مزدور ایک رُخ کی جانب جھک جائیں تو یہ قابلِ فہم ہے اور شاید یہ ان کے لئے ناگزیر ہو لیکن کسی مردِ آگاہ کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ ایک دور کے کسی مسئلہ میں جس پر بہت زور دیا جا رہا ہو خود کو غرق کر دے۔

یہ تین بنیادیں ہیں جن پر انسانیت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں لیکن افسوس کہ تاریخ ان تین بنیادوں کو کس طرح پیش کرتی ہے۔

احساس عرفانی جسے انسانی تاریخ کے دوران ایک نہایت طاقت ور تخلیقی اور اقدار آفرین عامل کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یورپ میں سترھویں اٹھارہویں صدی میں سرمایہ دارانہ اور بورژوائی نظام کے آغاز کے بعد کمزور پڑتا چلا گیا ہے۔ سرمایہ داری اور زر طلبی کی زندگی معنویت اقدار اور عشق سے ناآشنا ہوتی ہے سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں جب سرمایہ داروں کا عمل دخل شروع ہوا تو تمام معنوی اقدار حقیقت پرستی انسانی قدر و قیمت اور قلب و روح کے تب و تاب کو بھلا دیا گیا لوگوں نے خریدار یا دلال کی صورت اختیار کر لی اور زندگی قابلِ تجارت بن کر رہ گئی ہے جس کا ہدف ترقی قرار پایا۔ یہ ترقی بھی ایک بہت بڑا فریب ہے جس میں سرمایہ داری نے آج کے انسان حتی کہ روشن فکر افراد کے ذہنوں کو بھی پھنسا لیا ہے اور اس ترقی کا ایک بڑا وسوسہ درجہ کمال تک پہنچنا ہے جس کا مطلب طاقت میں اس کمال درجہ تک توسیع کے وجود اور جو ہر میں بھی توسیع حاصل ہو سکے اس ترقی نے احساس عرفانی سے محروم کر دیا۔ ایک

ایسا انسان وجود میں آگیا جو سرمایہ داری کا آلۂ کار ہو۔ اس انسان نے مذہب کے خلاف بورژوایت کی خدمات حاصل کیں اور آزادی کا نعرہ لگایا یہ بورژوا ہی تھے جنہوں نے سترہویں اور اٹھارویں صدی میں آزادی کا غلغلہ بلند کیا آزادی تو انسانی فطرت کا جزء ہے انہوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو یہ بتایا کہ صدیوں بعد ان کی عقل ان کی زندگی اور ان کی معیشت ڈکٹیٹروں زمینداروں جاگیرداروں اور ملاؤں کے تسلط سے آزاد ہوگئی ہے اس طرح انہیں اٹھارہویں صدی کے لیبرالزم اور آزادی کا شیفتہ بنا دیا انقلابِ فرانس اس جدید تحریک کی روشنی بن گیا۔ اس طرح احساس عرفان کو ختم کرنے کے لئے آزادی کو استعمال کیا گیا۔ اس آزادی نے عرفان کو چھین کر اس کی بجائے انسان کو کیا دیا اس کا تحفہ یہی سرمایہ داری تھا۔ انسان آزادی کی تلاش میں نکلا اور سرمایہ دارانہ نظام کے جال میں پھنس گیا سرمایہ داری کی برائی آج اس عروج پر پہنچ گئی کہ اب اس کی بخشی ہوئی آزادی میں کوئی دلکشی باقی نہیں رہی ہے۔ آج مغرب میں جو آزادی پائی جاتی ہے اس سے روشن فکر لوگ نفرت کرنے لگے اور اس کے خلاف ایک عام نفرت پیدا ہوگئی۔ اس لئے کہ جہاں سرمایہ داری ہے وہاں دین بھی ایک جھوٹ ہے آزادی بھی ایک جھوٹ ہے۔ خود انسان ایک جھوٹ ہے ایک طرف سرمایہ داری نے آزادی کے لباس میں انسانیت کی معنوی قدروں کی نفی کی متینوں اور استعمار کے سہارے بڑا عروج حاصل کر لیا۔ دوسری طرف سرمایہ داری کے خلاف عدل و انصاف کی تحریک بھی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ عدل اور اقتصادی انصاف طبقات و امتیازات کی نفی انسانی فطرت کا ایک جزو ہے تمام بڑے مذاہب کی اساس ہے انسان کی اخلاقی اقدار کا ایک بنیادی حصہ ہے اور یہی چیز عالمی سطح پر ایک بڑے انقلابی عامل کی اور روشن فکر لوگوں کے بڑے ہدف کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ لیکن اس کا کیا نتیجہ نکلا ؟

سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج کا انسان جب پرستش عشق اور عرفان کی طرف جھکا تو اس نے زہد و رہبانیت اختیار کر لی اور آزادی کا طلب گار ہوا تو سرمایہ داری کے جال میں پھنس گیا معاشی اور سماجی انصاف کے عشق میں مبتلا ہوا تو تو اس مارکسی نظام کے فریب میں گرفتار ہو گیا جو انسان کی آزادی اور انسان کی اقدار کا منکر ہے وہ دولت شخصیت پرستی، مادہ پرستی کے ذریعہ اور وجود انسانی کو معاشی حیوان قرار دے کر اور نتیجتاً صرف معیشت پر تکیہ کر کے اور اپنی مشینوں میں انسان کو بے جان کل پرزے بنا کر انسانی معاشرہ کی ہی نفی کرتا ہے۔ آج کے کمیونسٹ انسان نے اقتصادی رابطے کے سوا باقی سب کچھ بورژوا ہی سے لیا ہے وہ ایک دولت پرست ڈکٹیٹرشپ کے پنجے میں پھنس گیا ہے اور بقول "پرودون" وہ ایک پولیس نظام میں گرفت رہو گیا۔ اس حد تک کہ حکومت کی طرف سے تشکیل دیا جانے والا ایک کمیشن فلسفہ، علم، اساتذہ کی تدریس، مصور کی نقاشی، شاعر کی شاعری، انسانوں کے ذوق، ان کی زندگی، لباس، روابط، خاندان، غرض یہ کہ ہر چیز کا تعین کرتا ہے اور علم کی بنیاد جدلیت کو قرار دیتا ہے اس طرح انسان نے اپنا جو کچھ جاگیرداری نظام کے دور میں اور غلامی کے دور میں دشمن انسانیت سرمایہ داری کے دور میں محفوظ رکھا تھا اسے اس دور میں گنوا دیا۔

اب ہم کیا کریں؟ کیا انسان اور انسانی وجود کے تقاضوں پہ فاتحہ پڑھ لیں اور اس سب کچھ کو اٹھا کر دور پھینک دیں نیہلزم اور صوفی ازم کی طرف جائیں اور دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے اگر ہم خود کو ایک ذمہ دار انسان سمجھتے ہیں تو خدا کے لئے خدا کے لئے اس رسمی مذہب سے نجات حاصل کریں جس نے ہم پر جمود طاری کر دیا ہے۔ اور دین کے اصل سرچشمے کی طرف رجوع کریں جو عشق عرفان، اقدار آفرین کا منبع ہے اور جو انسان، وجود، زندگی، عدالت اور آزادی کو ایک معنے عطا کرتا ہے اور

انسان کو سرمایہ داری سے نجات دلائیں اور اسے مارکسزم سے آزاد کرائیں۔ ایک انسان کے لئے یہ تین مشن ہیں۔ اس کام کے لئے ایک آئیڈیولوجی ایک مکتب خیال، پس منظر تہذیب، تاریخی واقفیت، مرکزیت، ذہنی، اعتقادی اور روحانی وابستگی کی ضرورت ہے، میں ان سب کو عرفان، عدالت اور آزادی کو خالص اسلام میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانوادے اور علیؑ میں پاتا ہوں اگر میں عرفان عدالت اور آزادی ان تینوں کی روشنی میں اسلام اور علیؑ کا جائزہ لوں، علیؑ کو پہچانوں اور اسلام کو پہچانوں اور اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی کی پوری طرح حفاظت کروں تو پھر میں کبھی بورژوائی تمدن کی ترقی سے اور مارکسزم کی قوت اور فروغ سے کسی نظریے کی پریشانی سے دوچار نہیں ہوں گا اور نہ مجھے علیؑ، آزادی اور اعتقادی مسائل پریشان کریں گے۔

اب میں آپ سے اپنی ایک تدبیر اور تکنیک کا ذکر کرتا ہوں جسے میں نے اپنے ایک قریبی وابستگی رکھنے والے نوجوان کے لئے آزمایا۔ اس کا ذکر میں نے آقائی خامنہ ای سے بھی کیا تھا اور انہوں نے بھی اس بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا نوجوان ۵۲، ۵۳ میں پندرہ سولہ سال کی عمر رکھتا تھا ہم سب جانتے ہیں کہ ۵۲، ۵۳ کے سال بڑی خصوصیت رکھتے ہیں۔ یہ چوٹ کھانے کے سال تھے۔ یہ ملت کے ساتھ خیانت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور بہت زخم کھانے کے سال تھے یہ دراصل بہت سے برسوں اور بہت سی باتوں کے سال تھے اسی دور میں یہ وسوسہ دلوں میں پیدا ہوا تھا کہ اسلام نامکمل ہے۔ اور جدید حقائق کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اور جب سے کہ ایران میں سرمایہ داری نے قدم جمائے ہیں اسلام کسی کام کا نہیں رہا جس وقت سرمایہ داری نہیں تو اسلام بہت خوب تھا۔ لیکن یہ اب خوب نہیں رہا۔ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ اسلام نے اپنی آئیڈیولوجی کو وزارت تجارت سے وابستہ کر لیا ہے کہ جس وقت وہ سرمایہ داری کو لاتا ہے ہم اپنی آئیڈیولوجی کی حفاظت

کرتے ہیں ۔ یہ ایک بڑا وسوسہ ہے جو ہماری نوجوان نسل کے دلوں میں پڑگیا ہے وہ نوجوان نسل جس کی رگ وپے میں آگ بھری ہوئی ہے تیزی وتندی جس کا جوہر ہے اور انقلاب جس کے وجود میں کروٹیں لے رہا ہے میں نے اس مقصد سے کہ اس نوجوان نسل کو تھوڑا سا تحفظ فراہم کروں تاکہ وہ اپنے بارے میں اور اسلام کے بارے میں احساس کمتری کا شکار نہ ہو اور کبھی ادھر اور کبھی ادھر نہ ڈگمگا جائے میں نے ایک تدبیر کی اور وہ بہت مؤثر ثابت ہوئی جو لوگ اس طرح کے مسائل سے دوچار ہیں ان کے لئے یہ تدبیر بری نہیں اور وہ یہ کہ میں نے جن تین بنیادی باتوں کا ذکر کیا تھا اس پر سے میں نے عرفان پر زیادہ زور دینا شروع کر دیا۔

یہاں میں نے تین باتوں کا ذکر کیا ہے، خدا مساوات اور آزادی جس طرح یورپ میں پاسکال، مارکس اور سارتر میں ہماری تاریخ میں حلاج یا مولوی، مزدک اور بدھ ہیں اور شیعہ میں صرف علیؑ ہے، علیؑ کے رفقاء علیؑ کا ہی ایک نمونہ ہیں البتہ ان کے درجات میں فرق ہے ابوذرؓ ان ہی میں سے ایک ہیں میں نے تین جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ ان میں بیک وقت موجود ہیں آئیڈیولوجی کے تعلق سے ہمیں ان تینوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور ہمارا مطالعہ ان تین پہلوؤں سے ہونا چاہیئے یورپ میں عرفان کے لئے ہمیں پاسکال اور اسپینوزا، برگسان اور کارل کا مطالعہ کرنا چاہیئے دوسرے پہلو عدل ومساوات کے لئے ہمیں جرمنی کی اخلاقی سماجی (سوشلسٹ) ادبیات کو پڑھنا چاہیئے اسی طرح ہم مارکس سے پہلے کمیونزم کا مطالعہ کریں گے ۔ اور مارکسی ادبیات کو پڑھیں اور اسی طرح آج کے اگزیستانسیالیسم اور اومانیسم کا اور آسٹریارٹ میل جیسے فلاسفہ کا مطالعہ کریں ان دانشوروں نے انسانی آزادی فرد کی آزادی اور انسانی حقوق کے بارے میں بہترین فکری وعملی توجیہیں پیش کی ہیں اور ایران میں بھی ان کا اسی طرح مطالعہ کیا جانا چاہیئے اس کے ساتھ ہم اس

بات کا بھی خیال رکھیں کہ ہماری یہ نئی نسل جو اسلام کو ان تینوں پہلوؤں سے پہچانتی ہے اور اسلام کو اجتماعی و طبقاتی اعتبار سے استحصال اور استعمار کے برعکس زیادہ تر ترقی پسند سمجھتی ہے وہ مارکسزم یا یورپ و امریکہ کے تمدن کے مقابلہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو، ہمیں اس کے عرفان اور فکری پس منظر میں وسعت پیدا کرنی چاہیئے۔ یہ عرفان ہی ہے جو انسان میں اتنی خودشناسی پیدا کرتا ہے کہ وہ امریکہ اور یورپ جاکر بھی ان کی عظمت سے کسی ذہنی یا نفسیاتی الجھن میں مبتلا نہیں ہوتی۔ اور اسے اپنی قدریت کا غیر معمولی احساس ہوتا ہے اور وہ مارکسزم کے مقابل کسی احساس کمتری اور احساس محرومی سے دوچار نہیں ہوتی نوجوانوں کے عرفانی اور فکری پس منظر میں توسیع میرے نزدیک بڑی بامعنی اور اہم ہے اس لئے میں نے اس نوجوان کے جو مجھ سے قریبی تعلق رکھتا ہے عرفان اور فکری پس منظر کو وسعت دینے کی کوشش کی جب کہ وہ ابھی پندرہ سولہ سال کا تھا اور تیز تند معاشی و سماجی احساسات رکھتا تھا بالعموم ہمارے نوجوانوں کو اپنی عمر کے اس دور میں اس اسلام سے جو آج پیش کیا جاتا ہے ذہنی عناد ہی جاتی ہے اگر وہ اسلام کے اسی رخ سے آشنا رہتے ہوئے مارکس کی کتاب، انٹروڈکشن، اور کیپٹل پڑھیں اور دنیا کی انقلابی اور سوشلسٹ ادبیات کا مطالعہ کریں تو وہ یہ محسوس کریں گے کہ ان کے پاس اسلام سے کچھ زیادہ ہے، وہ زیادہ روشن ہیں اور زیادہ مدون ہیں۔

یہ نوجوان کہیں گے کہ ہمارے ماہرین ہمارے لئے بھی ایک مینی فیسٹو تیار کریں۔ انہیں اپنا مینی فیسٹو شائع کئے سو سال گذر چکے ہیں اور وہ اپنا مینی فیسٹو اب تک ہزار بار شائع کر چکے ہیں تو پھر ہم کیوں معطل بیٹھے رہیں؟ ہمارا یہ تعطل ہی ہے جو نوجوانوں کو سوشلزم کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ یہ صورتِ حال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس چیز کو جو مارکسزم کے پاس نہیں ہے، بورژوا انسانوں کے پاس نہیں ہے اور جسے

مارکسیسٹ آئیڈیولوجی پیش ہی نہیں کر سکتی اپنی نوجوان نسل کے قلب و روح میں پیدا کریں اور وہ چیز عرفان ہے۔ ہمیں اپنی اس نئی نسل کے عرفان میں اضافہ کرنا چاہیئے لیکن نوجوانوں میں عرفان محض یہ کہنے سے پیدا نہیں ہو سکتا کہ جاؤ نماز پڑھو، جاؤ روزہ رکھو اس طرح کہنے سے ان میں ایک طرح کی بیزاری پیدا ہوتی ہے پھر ہمیں کہاں سے شروع کرنا چاہیئے جب کوئی نوجوان عرفان میں دلچسپی لینا شروع کرتا ہے اسے ہماری نمازوں اور روزوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا ہماری مقدسات اس کے ذہن کو متوجہ نہیں کرتیں۔ ہماری ایمانیات اسے بالکل یاد نہیں آتیں وہ ان سب باتوں کے ساتھ اشتراک و تعلق پیدا کرنے کے بارے میں بالکل نہیں سوچتا۔ ایک معلم کی حیثیت سے میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسے عرفان کی کتابوں سے آشنا کیا جائے۔ دین اور عبادت کے بارے میں اس سے کوئی بات نہ کی جائے۔ پہلے اسے عرفان سے متعلق کتب پڑھائی جائیں تاکہ اس میں مذہبی ذوق پیدا ہو اوپانیشادوں جیسی کتابیں جن کا فارسی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے بہت اچھی ہیں یا پھر رادھا کرشنان کی کتابیں ہیں ان میں سے چند کا فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے ان میں سب سے چھوٹی اور گہری کتاب فکر عرب اور مذہب شرق ہے پھر کچھ کم و بیش برگسان کا مطالعہ اور پھر کارلی جہاں تک ممکن ہو سکے اور پھر "علامہ اقبال" اقبال کوئی ملا نہیں ہے کہ جس نے حجرہ میں بیٹھ کر مذہب سیکھا ہو، وہ کوئی صوفی نہیں ہے جس نے خانقاہ سے مذہب کی تعلیم حاصل کی ہو، نہیں اقبال ایک روشن فکر ہے اس نے ہم سب سے زیادہ تعلیم حاصل کی۔ اور اس وقت حاصل کی تھی جب ایران میں جدید اعلیٰ تعلیم کا رواج نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کا وطن دو صدیوں تک انگریزوں کے زیر تسلط رہا ہمارے ملک کا استعمار تو ٹیلی فونی استعمار تھا لیکن ہندوستان کے استعمار نے انگلستان اور یورپ کے ساتھ دو سو سال گذارے تھے۔ اقبال کی

تعلیمی زبان انگریزی تھی۔ اقبال نے تعلیم کے لئے یورپ کا سفر کیا، اور جن فلسفیوں کے ساتھ اس نے ذہنی کشتی لڑی وہ ہیگل نقشے، گوئٹے، ڈکارٹ کانٹ تھے، جب وہ یورپ سے واپس آیا تو اس نے کہا، افسوس ان چھ برسوں پر جو میں نے یورپ میں ضائع کئے، جب کوئی نوجوان اس طرح سوچتا ہے تو وہ پھر کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا، اقبال کے ان الفاظ پر غور کرو "افسوس اس عمر پر جو میں نے یورپ میں ضائع کی" کیا اقبال نے اپنی عمر یورپ میں ضائع کی تھی؟ ایک ایسے شخص نے جس کا نام مغرب کی تاریخ فلسفہ میں لیا جاتا ہے۔ مغرب کے فلسفیوں اور اہل قلم میں صرف دو شخص ہیں جو یورپی نہیں ہیں ایک الجزائر کے "عمر مولود" جس کا شمار فرانس کے اہل قلم میں ہوتا ہے اور دوسرے اقبال جو یورپ کے فلسفیوں میں گنے جاتے ہیں مسلمانان ہند کا یہ بابائے قوم یورپ پہنچا، لیکن نہ وہ کلیسوں میں گیا نہ اس نے بیلکنگ پڑھی نہ اس نے فن آرائش سیکھا اور نہ رقص کی تعلیم حاصل کی وہ وہاں گیا اور اس نے فلسفہ پڑھا اور فکر کی سب سے بڑی بلندی پر پہنچ گیا پھر وہ واپس آیا اور کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں ہیگل کا دیوانہ اور ہیگل کا شیفتہ ہوں ہیگل وہ شخصیت ہے جس سے پیدا ہونے والی چند ہلکی چنگاریوں میں سے ایک مارکس ہے۔ ہیگل ہمارے شیخ احمد احسائی کی طرح ہے جس کی ذات کے اندر سے سب کچھ ابلتا تھا۔ اقبال کہتا ہے میں نے خواب دیکھا کہ میں ہیگل کا شاگرد ہوں اور ہیگل کی عظمت اور اس کی وسعت فکر نے دنیا کو اپنی تنگ دامنی پر شرمندہ کر دیا ہے لیکن دفعتاً میں نے پیر یزدانی کو خواب میں دیکھا جس نے حلب شام کو اپنے خدائی نور سے روشن کر دیا ہے (اقبال نے یہ مولوی رومی کے بارے میں کہا ہے) اسے میں نے دیکھا تو ہیگل ایک تصویر کے مانند محو ہو گیا اور وہ اپنی ندامت کے بارے نظریں نہیں اٹھا سکتا تھا اور بعد میں اقبال اپنے اس خواب کی تعبیر بیان کرتا ہے۔

گرچہ فکرش بکر از پیرایہ بند رچوں عروس
ماکیاں کز زور مستی خایہ بندد بی خروس

اگرچہ اس کی اچھوتی فکر دلھن کی طرح سج دھج رکھتی ہے لیکن اس کی مثال اس انڈے کی سی ہے جو بعض اوقات مرغیاں بغیر مرغ کے دیتی ہیں۔ یہ انڈا کھانے میں تو خوب ہوتا ہے لیکن اگر مرغی اسے سئے تو اس سے چوزہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں جان اور تخلیقی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اقبال نے ہیگل کی آئیڈیولوجی سے ایک استاد کی طرح واقفیت حاصل کی اور اس نے کہا کہ ہیگل کے افکار اس انڈے کی طرح ہیں جو مرغ کے بغیر وجود میں آتا ہے۔ اور جلال الدین رومی کے سامنے جو مثل آفتاب ہیں ہیگل کی حیثیت ایک ٹمٹماتے چراغ کی سی ہے۔ جب ہمارے اور آپ کے نوجوان اس عرفانی بصیرت، عرفانی احساس اور خدا پرستی کو ہیگل سے ماورا انتہائی بلندی پہ دیکھتے ہیں اور ان میں احساس عرفان پیدا ہوتا ہے اور ان کی روح میں عشق کا خمیر پڑتا ہے تو ذوق خدائی ان کی رگوں میں خون دوڑا دیتا ہے اور یہ خون ایسا نہیں ہے کہ انہیں کسی مسجد یا معبد کے گوشے میں محدود کر دے بلکہ یہ وہ خون ہے جو حلاج کے خون کی طرح خاک میں مل کر بھی اپنی تب و تاب نہیں کھوتا اور میدانِ جنگ میں خونِ حسینؑ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور معیشت کے میدان میں جب یہ آواز بلند کرتا ہے تو خون ابوذرؓ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ خون زندگی کے دھارے میں تبدیل ہو جاتا ہے سرنوشت انسانیت کے متن میں شامل ہو جاتا ہے، عوام کی جد و جہد میں شریک ہو جاتا ہے، وقت کی ایک ضرورت اور تقاضا بن جاتا ہے وہ ایک ایسے فداکار کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو مسلسل بھی ہو اور رزمدار بھی علیؑ علیؑ اپنی ساری عظمت و بلندی کے باوجود فرماتے ہیں ولایت اور رعایت اور تمام دین کا خواہشمند نہیں ہوں اس لئے کہ میری ولایت کے ساتھ دین نے اتمام

پیدا کیا ہے۔ اب میں آیا ہوں اور سب کو اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ میں بھوکوں کو سیر کروں گا اور پرخور لوگوں کا گریبان پکڑوں گا اور کہوں گا جو کچھ تم نے کھایا ہے اُسے نکالو اور اگر انہوں نے اُسے ہضم بھی کر لیا ہے تو پھر بھی میں اُسے ان کے حلق سے نکال لوں گا۔

یہ ایک صوفیانہ گوشہ نشینی نہیں ہے یہ ایک عرفانی خون ہے جو فداکار اور عرفان آشنا ہونے کے ساتھ مجاہد بھی ہے انصاف کا ذمہ دار بھی ہے۔ اس طرح کا انسان مارکس کے تیار کردہ انسان کے مقابلے میں احساس محرومی سے دو چار نہیں ہوتا بلکہ ان سب پر ایک بلندی سے نگاہ ڈالتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مارکس نے انسانوں میں سے جو کچھ پتھر کے مجسمے بنائے ہیں خواہ وہ کتنے ہی خوب صورت اور انسان کی مادی زندگی کے اعتبار سے ہمہ پہلو کیوں نہ ہوں، لیکن بقول اقبال ان میں وہ تخلیقی صلاحیت نہیں ہے ان میں وہ چنگاری اور حرارت نہیں ہے جو انسان کو سوز و ساز عطا کرتی ہے۔ اس صورت میں وہ نہ صرف یہ کسی محرومی و کمی کا احساس نہیں کرتا۔ بلکہ اس میں بہتر و برتر ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے پھر اسلام مارکسزم سے کمتر چیز بن کر سامنے نہیں آتا بلکہ وہ ایک ایسا اسلام ہوتا ہے جو سرمایہ دارانہ لیبرلیسم، صوفیانہ قسم کے عرفان، مادہ پرستانہ سماجی انصاف کے ویرانہ پر اپنی عمارت تعمیر کرتا ہے اور ان کے کھنڈر پر اپنا سر بلند کرتا ہے۔ یہ آج کے علم میٹریالیسم اور مارکسزم سے ماورا اسلام ہے۔

عرفان سے وابستگی ایک بڑا رشتہ اور ایک بڑا عامل ہے جو ایک نوجوان کی زندگی اور اس کے قلب و روح کو بلندی پر پہنچا دیتا ہے اور پھر اسے دنیا کی ان آئیڈیولوجیوں سے کوئی خطرہ نہیں رہتا جو اس کے اسلامی تصورات کی علم و فکر اور منطق کی تلوار سے بیخ کنی کر دینا چاہتی ہیں اور اسے ان تباہ کن وسوسوں سے بھی

کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا، جس کے تعلق سرمایہ داری، مفاد پرستی، جنسیت اور استعماری تمدن کی بیہودگیوں سے ہے اور جو اس کے قدموں کو ڈگمگا دینا اور اُسے ہڑپ کر لینا چاہتے ہیں۔

نهضت ترجمه
Translation Movement

دُعا

ـــــ ڈاکٹر علی شریعتی

پالنے والا : ہمارے علماء کو احساس مسئولیت
عوام کو علم حاصل کرنے کی توفیق
مومنین کو نورِ ھدایت
مفکرین کو ایمان
متعصبین کو فہم
اور صاحبان فہم کو عزم
عورتوں کو شعور
مردوں کو شرافت
بوڑھوں کو بصیرت
جوانوں کو ہمت
اساتید کو عقیدت
طالب علموں کو بھی عقیدت
غافلوں کو بیداری
بیداروں کو عزم
مبلغین کو حقیقت
دیانتداروں کو دین
لکھنے والوں کو اصول
صاحبانِ فن کو دَرد

شاعروں کو شعور
مؤلفین کو مقصد
ناامیدوں کو اُمید
کمزوروں کو قوّت
جمود کو قیام
متحرک لوگوں کو حرکت
مردوں کو زندگی
اندھوں کو بینائی
خاموشوں کو آواز
مسلمانوں کو قرآن
شیعوں کو علیؑ
فرقوں کو اتحاد
حسد کرنے والوں کو شفا
خود بینوں کو انصاف
بدگویان کو ادب
مجاہدین کو صبر
قوم کو بصیرت
اور عوام کو ہمّت و عزم
فداکاری کا جذبہ اور نجات
و عزّت عنایت فرما